فقہاے نظر کی تفصیل ہے، ان بحثون مین فقہ و اصول فقہ کے متعلق بہت سے معلومات آگئے ہین، کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی تاریخ پر تو مصنف کی نظر ہے، اس لیے اسلامی دستور حکومت کے ارتقاء و تغیر کی تاریخ تو ایک حد تک صحیح بیان کی ہے، گو وہ بھی اغلاط سے یکسر خالی نہین ہے، لیکن فقہ کے تغیرات اور ارتقاء کے اسباب و نتائج پر یا مصنف کی نظر نہین ہے یا عمداً غلط بیانون سے کام لیا ہے، اور اس مین ایسی فاش غلطیان اور تدلیسات ہین کہ ان کی تاریخ کا معمولی واقف کار بھی نہین کر سکتا، مترجم نے دیباچہ مین لکھا ہے کہ حاشیہ مین مصنف کی غلط بیانیون پر متنبہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن یہ کوشش دو چار مقامون سے زیادہ نظر نہین آتی وہ بھی محض طالب علمانہ، حالانکہ اس باب کا کوئی صفحہ مشکل سے اغلاط سے خالی ہوگا، سرورق پر مترجم کا نام نہین ہے، کتاب کے آخر مین محمد حمید اللہ صاحب کا نام ہے، اگر یہ کوئی طالب علم ہین تو چنر کوئی مضائقہ نہین، لیکن اگر ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر محمد حمید اللہ ہین، تو ان سے اس قسم کی فروگذاشت کی توقع نہین کی جا سکتی تھی۔

آبگینۂ شعر از بشیر النساء بیگم، تقطیع بڑی، ضخامت ۲۳۲ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت نفیس، قیمت مجلد چھ روپے، پتہ: سب رس کتاب گھر، خیرت آباد، حیدر آباد دکن،

مصنفہ دکن کی مشہور شاعرہ ہین، آبگینۂ شعر ان کے کلام کا مجموعہ ہے، جو سات عنوانون، نغمۂ رسالت، افکار و اذکار، حدیث دکن، خانوادۂ آصفی، ساز غزل، یاد رفتگان اور سوز و ساز کے ماتحت ۲۰۰ منظومات پر مشتمل ہے، گو مصنفہ کی شہرت دکن کے اندر تک محدود ہے، لیکن ان کا کلام اپنے محاسن و خصوصیات کے لحاظ سے ہندوستان کی نسوانی دنیاے ادب مین ممتاز حیثیت کا مستحق ہے، اور مذکورہ بالا مجموعے کی تمام نظمین جذبات و خیالات کی پاکیزگی اور زبان و بیان کی صفائی و سلاست ہر لحاظ سے قابل قدر ہین، "م"

جلد ۶۴ ماہ ذیحجہ ۱۳۶۸ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۴۹ء عدد ۴

مضامین

شذرات

بالآخر دستور ساز اسمبلی نے بھی دیوناگری رسم الخط مین ہندی کو حکومت کی زبان قرار دیدیا اور اردو بلکہ ہندستانی تک کو ثانوی زبان کی حیثیت بھی نہین دی گئی، اور ہندو رائے عامہ کے سامنے بڑی بڑی آزاد خیال اور حق پسند شخصیتون کو بھی سپر ڈال دینا پڑی، اور ہندوستانی کی حمایت مین پنڈت جواہر لال نہرو اور مسلمانون کے علاوہ ایک آواز بھی نہین اٹھی، اردو زبان پر یہ ظلم تو غلامی کے زمانہ مین اجنبی اور غیر ملکی حکومت نے بھی نہ کیا تھا جو اس دور آزادی مین اپنی قومی و ملکی حکومت کے ہاتھون ہوا، انگریزون نے کسی ملکی زبان کو نہین مٹایا بلکہ اُن کی سرپرستی کی خصوصاً اردو اور ہندی کی ترقی مین اُن کا بڑا حصہ ہے،

زبان بلکہ کلچر کشی کی ایسی مثال دنیا کے کسی ملک مین نہین مل سکتی، یورپ کے بعض بعض ملکون مین بہت سی چھوٹی چھوٹی زبانین رائج ہین جن کے بولنے والے چند لاکھ سے زیادہ نہین، اس کے باوجود وہان کی حکومتین یا ان سب کی حیثیت مساوی مانتی ہین، یا اگر ان مین سے ایک حکومت کی زبان مانی جاتی ہے تو دوسری زبانون کو ثانوی درجہ ضرور دیا جاتا ہے، حکومت ان سب کی سرپرستی کرتی ہے، اور تعلیمگاہون مین اُن کی تعلیمی اہمیت قائم رکھتی ہے، لیکن ہماری جمہوری حکومت مین اردو جیسی وسیع و ترقی یافتہ زبان کے لئے جس کے بولنے والے کرورون ہندو مسلمان ہین کوئی گنجایش نہین ہے، یہ ہین آزادی اور جمہوریت کے کرشمے، یہ ایسی صریح زیادتی اور ناانصافی تھی کہ مولانا ابوالکلام جیسے عالی ظرف اور ٹھنڈے دل و دماغ کے انسان کو بھی اس کے خلاف سخت احتجاج کرنا پڑا، اور اُن کی خاموش زبان سے بھی اُن کے مسلک کے خلاف تلخ لیکن سچی حقیقتین نکل گئین لیکن اب اُن کی بھی کون سنتا ہے ع

بات کی بات گئی صبح کا افسانہ گیا،

اس سے بھی زیادہ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ صوبائی زبانون کو جو حقوق ملے ہین، اُن سے بھی اردو کو کوئی فائدہ نہین پہنچ سکتا، اس لئے کہ ہندوستان کی اور سب زبانین تو مسلم ہین یعنی ان کے بولنے والے

صوبے اور یہان کی حکومتین دونون اُن کو اپنی زبان مانتی ہین، اس لئے صوبائی حکومتون کا کاروبار اسی زبان مین ہوگا، صوبہ کی تعلیمگاہون مین اُن کی تعلیم لازمی ہوگی، ان کے ذریعہ حصول ملازمت مین سہولت ہوگی، اس لحاظ سے صوبون مین اُن کی پوری اہمیت قائم رہے گی، اس کے مقابلہ مین اردو کی بدقسمتی یہ ہے کہ اس کے بولنے والے صوبون دلی، صوبہ متحدہ اور بہار کے ہندو اور یہان کی حکومتین بھی اس کو اپنی زبان نہین مانتین، اس لئے اب اس کا ٹھکانا کہان ہوگا، اس لئے صوبائی زبانون کو جو حقوق ملے ہین، اردو اُن سے بھی محروم رہے گی بجز اس کے کہ مسلمان اس کو اپنی زبان کہتے رہین، لیکن اُن کی حیثیت ہی کیا رہ گئی ہے، اگر اس ملک اور یہان کی حکومت مین اُن کا کچھ حق بھی سمجھا جاتا، تو اردو اس طرح یہان سے نہ نکالی جاتی،

یہ کس قدر عبرت کا مقام ہے، کہ ہندوستان کی تمام چھوٹی سی چھوٹی اور معمولی سے معمولی زبانون کا ایک وطن ہے، ان کو بولنے والی اور اپنی زبان کہنے والی ایک قوم ہے، اُن کی سرپرستی کرنے والی ایک حکومت ہے لیکن اردو جیسی ہندوستان گیر زبان کا کوئی وطن نہین، اسکی سرپرست کوئی حکومت نہین اور دلی، صوبہ متحدہ اور بہار کے ڈھے اور سہمے ہوئے مسلمانون کے علاوہ کوئی اس کو اپنی زبان کہنے والا نہین، یہ ہے ہماری سکولر اسٹیٹ کا کارنامہ جس پر آپ کو فخر بھی ہے،

بہرحال جو کچھ ہونا تھا، وہ ہو چکا، اب اردو کی حفاظت کی ذمہ داری اس کے حامیون خصوصاً مسلمانون پر ہے، موجودہ ذہنیت مین اردو ہندی سمجھوتے کی امید مین اردو کو ہندی سے قریب لانے کی کوشش بالکل بیکار ہے، اردو کی مخالفت کا جو مقصد اور اس کی دشمنی مین جو جذبہ کارفرما ہے، اس مین جب ہندوستانی بلکہ آسان ہندی تک کی گنجایش نہین ہے، تو اردو کا کیا سوال ہو سکتا ہے، یہ اور بات ہے کہ ہندی کے نام سے جو زبان رائج کیجا رہی ہے، وہ طبعی اسباب کی بنا پر نہ چل سکے، اور یقیناً نہ چلے گی، اس وقت یہ شدت قائم نہ رہیگی اور خود حالات ایک عام مشترک اور آسان زبان کے قبول کرنے پر مجبور کرین، اس کے علاوہ جب اردو ہندی دونون ایک ساتھ چلین گی، تو دونون ایک دوسرے سے لازمی متاثر ہون گی، اور جس طرح عربی، فارسی، ہندی، سنسکرت اور ہندوستان کی دوسری زبانون کے میل جول سے اردو بنی ہے اسی طرح ہندی اور اردو کے میل سے بھی ایک تیسری زبان ضرور بنے گی، وہی اصلی ہندوستانی زبان ہوگی، اس لئے اردو ہندی کو اپنے اپنے راستے پر چلنے دینا چاہئے، اور نتائج کو فطرت کے حوالہ کر دینا چاہئے،

اس وقت ہندوستان خصوصاً دہلی اور صوبہ متحدہ مین اردو کے کئی بڑے ادارے ہین جو اپنے اپنے دائرہ مین اردو زبان کی مفید خدمت انجام دے رہے ہین، ان سب کا کام جاری رہنا چاہئے لیکن اسی کے ساتھ اس وقت اردو کی بقا کے لئے اس کی تعلیمی ضرورتون کی جانب زیادہ توجہ کی ضرورت ہے، ورنہ جب بنیاد ہی نہ ہوگی، تو عمارت کس پر کھڑی کیجائے گی، ان مین سے ایک کام سرکاری اسکولون مین اردو کی تعلیم کی نگرانی کا ہے، اس بارہ مین خواہ حکومت اپنے وعدون کو پورا نہ کرتی ہو، یا ماتحت حکام اس کے احکام پر عمل نہ کرتے ہون نتیجہ بہرحال یہ ہے کہ سرکاری تعلیم گاہون مین اردو کی کوئی پرسش نہین ہے، اور ہر مقام پر اور ہر شخص کے لئے متعلقہ حکام تک شکایت پہنچانا دشوار ہے اگر دو چار شکایتین پہنچ بھی جائین تو ان کی شنوائی مشکل ہے، اس لئے اس کی نگرانی کا کام اشخاص کے بجائے ادارون کو انجام دینا چاہئے گو موجودہ ذہنیت مین ان کے ذریعہ بھی پوری کامیابی مشکل ہے، تاہم اردو یکسر نظر انداز نہ کیجا سکے گی، اور اسکی کچھ نہ کچھ حیثیت باقی رہے گی،

دوسرا کام نصاب کی ترتیب کا ہے، اس وقت دو قسم کے نصابون کی ضرورت ہے، ایک خالص اردو زبان کا نصاب جس کو ہر مذہب و ملت کے طالب علم پڑھ سکین، دوسرے مسلمان بچون کی ابتدائی تعلیم کا جو اسلامی مکاتب مین اور گھرون پر پڑھایا جا سکے، اس مین دینیات اور اسلامی تاریخ کے ساتھ وہ تمام مضمون ہونے چاہئین جو پرائمری اسکولون مین پڑھائے جاتے ہین، تاکہ ثانوی اسکولون کے داخلہ مین دقت نہ ہو، اس سلسلہ مین اردو حروف اور اُن کے رسم الخط کی پیچیدگیون کو بھی حل کرنا ہے، تاکہ بچے آسانی کے ساتھ اردو لکھنا پڑھنا سیکھ سکین لیکن ان کامون کو صلاح و مشورہ کے بعد تقسیم کار کے اصول پر اشتراک عمل کے ساتھ کرنے کی ضرورت ہے، اس مین دار المصنفین کے متعلق جو خدمت کیجائے اس کو وہ بخوشی انجام دینے کے لئے تیار ہے،

یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ انجمن ترقی اردو ہند جس کا مرکز اس کی نشاۃ ثانیہ کے بعد علی گڈھ ہو گیا ہے اپنا کام جلد شروع کرنے والی ہے اور اس کا رسالہ بھی عنقریب نکلے گا، اور مرکزی حکومت نے انجمن کے لئے چالیس ہزار سالانہ کی امداد بھی منظور کی ہے جو اردو زبان کا خونبہا ہے، یہ بھی غنیمت ہے،

آفرین بر دل نرم تو کہ از بہر ثواب کشتۂ غمزۂ خود را بہ نماز آمدۂ

یقین ہے کہ انجمن ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب اور قاضی عبد الغفار صاحب جیسے اصحاب علم و قلم کی نگرانی مین مرحوم انجمن کی جانشینی کا صحیح فرض انجام دے گی،

مقالات

اسلامی ہند کے تمدنی کارنامے

عمارتین

از

مولانا عبد السلام ندوی

(۳)

ہندوستان مین اسلامی عمارات کی بنیاد اگرچہ مسلمان فاتحین کی آمد کے پہلے ہی دن سے پڑ گئی تھی، اور سب سے پہلے ناصر الدین سبکتگین اور اس کے بعد سلطان محمود غزنوی نے تعمیر مساجد سے اس کا آغاز کیا تھا لیکن اس سلسلے کو سلطان علاء الدین خلجی نے جو ۶۹۵ھ مین تخت نشین ہوا تھا، بہت زیادہ وسعت اور ترقی دی، اور مسجدون کے علاوہ اور بھی نہایت کثرت سے مختلف قسم کی عمارتین بنوائین، چنانچہ تاریخ فرشتہ مین ہے،

"و آن قدر عمارت کہ در عہد او بنا یافت از مسجد و خانقاہ و حوض و منار و حصار در ہیچ عصرے بوقوع نیامدہ"[1]

سلطان علاء الدین کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق نے بھی اس معاملہ مین نہایت ناموری حاصل کی اور قلعہ تغلق آباد کے علاوہ اور بھی نہایت کثرت سے عمارتین بنوائین، مآثر رحیمی اور تاریخ فرشتہ مین ہے:-

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۲۱،

"و بساختن عمارت رغبت تمام داشت، عمارت قلعہ تغلق آباد و دیگر بناہا فرمودہ، و بنایت عمارت دوست بود، و بیشتر اوقات او صرف عمارت شدے"[۵]

اس کے بعد فیروز شاہ نے نہایت کثرت سے مسجدیں بنوائیں اور سلاطین گذشتہ کی تعمیر کردہ عمارتوں کی مرمت اور اصلاح کروائی، چنانچہ خود لکھتا ہے :-

"مساجد بنا نہادم، و دیگر بقاع خیر بادشاہان ماضیہ را از مسجد و خانقاہ، و مدرسہ و چاہ و حوض و پل و مقبرہ کہ مندرس شد، در تجدید معمور ساختم، و اہل خدمت بر جمیع مساجد و مدارس و خوانق و حمام و چاہ معین ساختہ وظیفہ قرار دادم"

ان تمام عمارتوں کی صحیح تعداد تو معلوم نہیں تاہم فرشتہ کو جو تعداد معلوم ہو سکی، وہ حسب ذیل ہے :-

مسجد	۴۰	شفاخانہ	۵
مدرسہ	۳۰	مقبرہ	۱۰۰
خانقاہ	۲۰	حمام[۳]	۱۰
محل	۱۰۰		

جونپور کی مشہور مسجدیں اسی کی بنوائی ہوئی ہیں :

فیروز شاہ کے بعد سلطان سکندر نے ۷۹۵ھ میں کشمیر میں ایک نہایت عالیشان مسجد بنوائی، لیکن ایک مدت کے بعد یہ مسجد جل گئی، تو سلطان حسین نے اس کو از سر نو تعمیر کروانا شروع کیا، لیکن اثنائے تعمیر ہی میں اس کا انتقال ہو گیا، تو اس کے وزیر ابراہیم ماکرے نے ۹۰۵ھ میں تعمیر کے کام کو درجۂ تکمیل تک پہنچایا،

جہانگیر نے اس کی نسبت لکھا ہے :-

---

۵ تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۳۰ و ماثر رحیمی جلد اول ص ۳۴۱

۶ تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۵۱ ؛

"الحق از حکام کشمیر اثرے بہتر ازین نماندہ"[۱]

فرمانروایان کشمیر میں سلطان سکندر کے بعد اس سلسلہ میں سلطان زین العابدین نے نہایت ناموری حاصل کی، اور کشمیر میں نہایت کثرت سے عمارتیں تعمیر کروائیں، جو سلاطین تیموریہ کے زمانہ تک قائم تھیں، چنانچہ جہانگیر ایک موقع پر تزک میں لکھتا ہے :-

"آثار و علامات و عمارات او در کشمیر بسیار است"[۲]

ان میں سے جہانگیر نے ایک خاص عمارت کا تذکرہ کیا ہے، جو سلطان زین العابدین کے تعمیری کارناموں میں نہایت اہمیت رکھتی ہے وہ لکھتا ہے کہ ان تمام عمارتوں میں ایک عمارت جس کا نام زین لنکا ہے، اولر نامی تالاب کے اندر بنائی گئی ہے، اس تالاب کا عرض و طول تین کوس سے زیادہ ہے، اور اس کا چشمہ ایک گہرے دریا کے اندر ہے، اس عمارت کے بنانے میں اس نے بڑی کوشش کی، اور پہلی بار کشتی میں بھر کر بہت سے پتھر منگوا کر اس مقام پر گروائے، جہاں یہ عمارت تعمیر ہوئی ہے لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا، اسی طرح پتھر سے لدی ہوئی کئی ہزار کشتیاں ڈبوئی گئیں، اور بڑی محنت کے بعد گیارہ سو گز کا ایک قطعۂ زمین پانی سے نکلا جس پر ایک چبوترہ بنایا گیا، اور اس چبوترہ کے ایک کنارہ پر اس نے ایک عمارت بنوائی جس میں وہ عبادت کیا کرتا تھا، کشمیر کے حکام میں سے تین شخصوں نے اس چبوترے کے تین ضلعوں پر عمارتیں بنوائیں، لیکن ان میں کوئی سلطان زین العابدین کی عمارت کا مضبوطی میں مقابلہ نہیں کر سکتی"[۳]

فرشتہ نے بھی کسی قدر اختلاف کے ساتھ اس عمارت کا ذکر کیا ہے، اور اس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس چبوترے پر باغ، مسجدیں اور دوسرے مکانات بھی بنوائے گئے تھے، اور ان سب کے مجموعے نے ایک ایسا دلکش منظر پیدا کر دیا تھا، کہ فرشتہ کے الفاظ میں

"بدان نزاہت و لطافت و غرابت جائے کم خواہد بود، و فی الواقع بخوبی آن عمارت

---

۱ تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۳۰۲، ۲ ۳ ایضاً ص ۴۷-۴۸ -

شاید کہ در کم جائے از عالم بودہ باشد"[51]

فرشتہ نے سلطان زین العابدین کی ایک اور عمارت کا ذکر کیا ہے، جو بارہ منزلہ تھی اور اس کی بعض منزلوں پر پچاس حجرے، ایوان اور جھروکے تھے، اور باوجود اس وسعت اور بلندی کے پوری عمارت لکڑی کی تھی،[52]

اس کے بعد سکندر لودی نے نہایت کثرت سے مسجدیں بنوائیں، اور اپنی سلطنت کی تمام مسجدوں میں قاری خطیب، اور جاروب کش مقرر کئے اور ان کی تنخواہیں مقرر کیں،[53]

اس کے بعد بابر ۹۳۲ھ میں تخت نشین ہوا تو جو مسجدیں اور خانقاہیں جنگ کے زمانہ میں ویران ہوکر غیر مسلموں کے بیلوں اور گھوڑوں کا استھان بن گئی تھیں، اُن کو نئے سرے سے تعمیر کروایا، اور ان میں موذن اور جاروب کش مقرر کئے، چنانچہ خافی خان ۹۳۲ھ کے واقعات کے سلسلہ میں لکھتا ہے؛

"و مساجد و خانقاہ کہ جائے پائگاہ اسپان و گاوان کافران گشتہ بود ہمہ را صاف و تعمیر نمودہ موذن و جاروب کش مقرر فرمود"[54]

اسی صدی میں سلطان ناصر الدین خلجی نے اس سلسلہ میں نہایت نام پیدا کیا، اور مالوہ میں اس کثرت سے عمارتیں تعمیر کروائیں، کہ مالوہ کے محاصل سے سترہ کرور روپئے جو اس کو ملے تھے، اس میں سے پانچ کرور روپیے تعمیرات میں صرف ہو گئے، صاحب مآثر رحیمی نے اس کے ایک محل کا جو باغ فیروزہ میں تعمیر ہوا تھا، ذکر کیا ہے اور لکھا ہے، کہ

"در باغ فیروزہ نصب طرح انداخت کہ سیاحان ربع مسکون نشان نداوہ اند"[55]

جہانگیر نے بھی اس کی بعض عمارتیں دیکھی ہیں، اور تزک میں ان کا ذکر کیا ہے،[56]

---

[51] فرشتہ جلد دوم ص ۳۲۵، ۳۴۴ [52] فرشتہ جلد دوم ص ۳۲۵ – [53] ایضاً جلد اول ص ۱۸۶، ۱۸۷، [54] خافی خان حصہ اول ص ۶۳، [55] مآثر رحیمی جلد اول ص ۱۶۱ [56] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۰۴،

قلعہ رہتاس بھی جس کی بنیاد شیر شاہ نے ڈالی تھی، اور سلیم شاہ نے اس کی تکمیل کی، اسی صدی کی یادگار ہے، جہانگیر نے اس قلعہ کو دیکھا ہے، اور لکھا ہے کہ اس کے تمام دروازوں پر تعمیر کا خرچ ایک پتھر پر کندہ ہے جس کی مجموعی تعداد سولہ کرور دو لاکھ دام یعنی ہندوستان کے حساب سے ۴۰ لاکھ پچیس ہزار روپیہ ہے،[57]

ان سب کے بعد ۹۶۳ھ سے اکبر کا دور سلطنت شروع ہوا، اور اس دور کی تمدنی ترقیوں نے ہندوستان قدیم کو بالکل بدل کر ایک نیا ہندوستان پیدا کر دیا، چنانچہ خافی خان لکھتا ہے؛

"در سیدن صاحب کمالان ایران و توران و روم و در جرگہ جان نثاران این سلسلہ عالیہ داخل گردیدن و ہندوستان را زینت تغیر و تبدیل از وضع سابق دادن مخصوص عہد سلطنت عرش آشیانی بود"[58]

اور اس دور ترقی کا جو اثر عمارات وغیرہ پر پڑا، اُن کے متعلق خافی خان لکھتا ہے،

"در تمام سواد اعظم ہندوستان عمارات عالی و لباسہائے فاخرہ و منازل خوش و بساتین دلکش و دیگر ایجاج لذت زندگانی در عہد آن واضع آئین دولت و بانی نسق سلطنت رواج گرفت"[59]

لیکن اس تمدنی انقلاب کے زمانہ میں جو عمارتیں تعمیر ہوئیں، ان کی مختلف قسمیں تھیں،

۱- عام رعایا نے عمدہ پاکیزہ اور بلند عمارتیں بنوائیں،

۲- خود اکبر نے شاندار عمارتیں تعمیر کروائیں،

۳- امرا نے اس میں بادشاہ کی تقلید کی، اور عمدہ عمارتیں تعمیر کروائیں،

لیکن تاریخوں میں پہلی قسم کی عمارتوں کا کوئی ذکر نہیں ہے، البتہ خود اکبر اور اس کے امراء نے جو عمارتیں تعمیر کروائیں، ان میں مشہور عمارتوں کا ذکر مورخین نے کیا ہے، جن میں سب سے مشہور قلعہ آگرہ ہے جسکو سب سے پہلے سکندر لودی نے پتھر اینٹ اور چونے کا تعمیر کرایا تھا، لیکن اکبر نے ۹۷۳ھ میں سنگ سرخ سے اس کی تعمیر

---

[57] تزک جہانگیر ص ۱۵۵ [58] خافی خان حصہ اول ص ۱۸۹ [59] ایضاً ص ۲۳۶،

کروائی، اس کے اندر سنگ مرمر کی ایک مسجد اور دوسری عمارتیں بنوائیں، اور ۹۸۰ھ میں ۲۰ لاکھ روپے کے خرچ سے تیار ہوگیا[51] لیکن صاحب مآثر الامراء نے لکھا ہے، کہ یہ قلعہ آٹھ سال میں قاسم خان میر بحر کے اہتمام میں سات کروڑ تنکہ یعنی ۳۵ لاکھ روپیہ کے صرف سے تیار ہوا، اور ۹۸۲ھ میں دریائے جمنا کے کنارے شہر کے مشرقی جانب پہلے قلعہ کی جگہ جو بوسیدہ ہوگیا تھا، اس کی بنیاد ڈالی گئی، اس کی دیوار کا عرض ۳۰ گز اور بنیاد سے کنگرہ تک کی بلندی ساٹھ گز ہے، سنگِ سُرخ کو تراش کر باہم اس طرح جوڑا ہے کہ اس کی درز میں ایک بال کی بھی گنجائش نہیں ہے، اس کی بنیاد ہر جگہ پانی کی تہ تک پہنچائی گئی ہے، اور مزید احتیاط کے لئے آہنی حلقے لگا کر پتھروں کو ایک دوسرے پر بٹھایا ہے،[52]

اکبر نے جب الہ آباد کو آباد کیا تو وہاں بھی دریائے گنگا و جمنا کے درمیان ایک نہایت مضبوط قلعہ تعمیر کروایا،[53]

اکبری دور کی ایک اور مشہور یادگار فتحپور سیکری کی مسجد ہے،

جہانگیر نے تزک میں لکھا ہے :-

"از آثار عظیم آثار کہ در عہدِ دولت و زمانِ خلافت حضرت عرش آشیانی بظہور آمدہ این مسجد و روضہ است، الحق این مسجد در ہیچ بلادے نیست عمارتش ہمہ از سنگ در کمالِ صفا اساس نہادہ پنج لک روپیہ از خزانہ عامرہ صرف شدہ"[54]

اس کے بعد اس کے تمام جزئیات کی تفصیل کی ہے،

مورخین نے اس دور کی انہی تین مشہور عمارتوں کا ذکر تصریح کے ساتھ کیا ہے، اُن کے علاوہ اکبر نے اور جو عمارتیں تعمیر کروائیں، ان کا ذکر ابوالفضل نے آئینِ اکبری میں اجمالاً کیا ہے، چنانچہ آئین عمارت میں لکھتا ہے :-

[51] خافی خان حصہ اول ص ۱۶۵، [52] مآثر الامراء حصہ سوم ص ۶۳ [53] خلاصۃ التواریخ و خافی خان حصہ اول ص ۲۳۶، [54] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۶۳،

"از این رو گیتی خدیو پیوستہ عالی بناہا طرح فرماید"،

لاہور کے متعلق لکھا ہے،

"چون چندگاہ پائے تخت شد و الا کاخہا برافراختہ آمد"،[55]

اکبر کے علاوہ اس دور میں امرائے اکبری نے بھی متعدد عمارتیں بنوائیں، چنانچہ اعتماد خان نے آگرہ سے چھ کوس کے فاصلہ پر اعتماد پور کے نام سے ایک گاؤں آباد کیا، اور اس میں ایک تالاب، ایک عمارت اور اپنا مقبرہ بنوایا،[56] آج بھی یہ مقبرہ موجود ہے، اور اعتماد الدولہ کے نام سے مشہور ہے،

خداوند خان دکنی نے قصبہ رونکھیرہ میں ایک مسجد بنوائی جس کی نسبت صاحب مآثر الامراء نے لکھا ہے کہ باوجود امتدادِ زمانہ کے اب تک شکست و ریخت سے محفوظ ہے،[57]

یہ ایک عجیب بات ہے کہ اس دور میں بعض ہندو امراء نے بھی مسجدیں بنوائیں، چنانچہ راجہ بھگونت داس نے لاہور میں ایک جامع مسجد بنوائی جس میں اکثر لوگ نماز جمعہ پڑھتے تھے،[58]

شاہ قلی خان محرم نے نارنول میں توطن اختیار کیا، تو وہاں بہت سی شاندار عمارتیں بنوائیں اور ایک تالاب کھدوایا،[59]

صادق محمد خان ہروی نے دھولپور کو جو آگرہ سے ۲۰ کوس کے فاصلہ پر ہے اپنا وطن بنایا تو وہاں ایک سرائے، ایک عمارت اور ایک شاندار مقبرہ بنوایا، اور آس پاس کے دیہات کو آباد کیا،[60]

اسلامی دور میں فنِ تعمیر کی ترقی نے کتبہ نویسی کا ایک مستقل فن پیدا کر دیا تھا، اور دور اکبری میں میر معصوم بھکری نے اس میں خاص نام پیدا کیا تھا، وہ نہایت خوشخط کتبہ نویس تھے، اور ہندوستان سے لیکر تبریز و اصفہان کے راستوں اور منزلوں میں ہر جگہ مسجدوں اور عمارتوں کے پتھروں پر اپنے اشعا

[55] آئین اکبری جلد دوم ص ۱۵۲، [56] مآثر الامراء جلد اول ص ۹۰، [57] ایضاً جلد اول ص ۶۵۹، [58] ایضاً جلد دوم ص ۱۳۱، [59] ایضاً ص ۶۰۰، [60] ایضاً ص ۲۹،

کندہ کئے تھے، قلعۂ آگرہ اور جامع مسجد فتحپور کے دروازے کے کتبے انہی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں، کتبہ نویسی کے ساتھ انھوں نے نیک کاموں کے لئے بہت سی عمارتیں بھی بنوائیں، بالخصوص شہر سکھر میں جوان کا وطن تھا، اس قسم کی بہ کثرت عمارتیں تعمیر کروئیں، پنجاب میں بھکر کے گرد جو دریا واقع تھا، اس میں ایک عمارت ستیاسر نامی بنوائی جس کی نسبت صاحب مآثر الامراء لکھتے ہیں؛

"از نوادر روے زمین است، گنبد دریائی تاریخ آنست"[۱]

اسی زمانہ میں یوسف عادل شاہ نے بیجاپور میں قلعۂ ارک، عیدگاہ قدیم، اور گلبرگہ میں شیخ محمد سراج جنیدی کا روضہ اور اس کے منارے بنوائے،[۲]

اس کے بعد جہانگیر کا دورِ حکومت شروع ہوا، جو اگرچہ تعمیری حیثیت سے کچھ زیادہ شہرت نہیں رکھتا، تاہم اس دور کی سب سے زیادہ مشہور عمارت سکندرہ یعنی اکبر کا مقبرہ ہے، جس کو جہانگیر نے ۱۵ لاکھ کے صرف سے تعمیر کروایا تھا، اس کے علاوہ متفرق عمارتیں ہیں، جو اس نے ہندوستان کے مختلف حصوں میں تعمیر کروائیں، مثلاً اجمیر میں ایک تالاب اناساگر نامی تھا، جہانگیر نے اس کے کنارے متعدد عمارتیں بنوائی تھیں، اور شاہجہان نے اجمیر کے سفر میں انہی میں قیام کیا تھا،[۳]

ایک سفر میں بابا حسن ابدال کے پل اور اس کے پاس کی عمارتوں کی تعمیر کے لئے زرِ وزن سے پانچ ہزار روپئے دیئے، اور حکم دیا کہ پل اور یہ عمارتیں نہایت مستحکم طور پر بنوائی جائیں،[۴]

ایک بار سیر و شکار کے موقع پر خواجہ جہان کو حکم دیا، کہ ایک ایسی عمارت تیار کروائے جو اس کے ٹھہرنے کے قابل ہو، چنانچہ خواجہ جہان نے تین مہینے میں ایک عالی شان عمارت تعمیر کروا دی، جو جہانگیر کو نہایت پسند آئی،[۵]

---

۱ مآثر الامراء حصہ سوم ص ۳۲۸ - ۲ بساتین السلاطین ص ۲۲-۲۳ - ۳ بادشاہ نامہ حصہ اول صفحہ ۸۰

۴ تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۱۰۰، ۵ ایضاً ص ۹۳ -

جہانگیری دور کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس زمانہ میں نئی عمارتوں کے ساتھ شاہانِ ماضیہ کی عمارتوں کی مرمت و اصلاح بھی ہوئی مثلاً مانڈو میں سلاطینِ غوریہ اور خلجیہ کے جو آثار باقی تھے، جہانگیر نے اُن کی مرمت کروائی، اور وہاں جانے سے پہلے عبد الکریم معموری کو حکم دیا، کہ وہاں جاکر کچھ نئی عمارتیں بنوائے اور سلاطینِ ماضیہ کی عمارتوں کی مرمت کروائے،[۱] اس حکم کے مطابق اس نے چند روز میں بعض قدیم عمارتوں کی مرمت کرائی، اور بعض مقامات پر نئی عمارتیں بنوئیں تقریباً تین لاکھ روپیہ صرف ہوا، اور نہایت دلکش عمارتیں تیار ہوئیں چنانچہ خود جہانگیر لکھتا ہے،

"در ہیچ جا بدان نزاہت و لطافت عمارتے معلوم نیست، باینکہ این عمارت رفیع در شہر ہائے رفیع کہ قابلیت نزول اجلال می داشت، واقع می بود"[۲]

صاحب مآثر الامراء لکھتے ہیں،

"دوران سال در مانڈو بحکم بادشاہی عمارات دلکش ترتیب یافتہ نشیمنہائے سلاطینِ ماضیہ ترمیم پذیرفت،"[۳]

گجرات میں کانکریہ ایک تال ہے، جس کو سلطان احمد بانی شہر احمد آباد کے نواسے قطب الدین محمد نے بنایا تھا، اور اس تال کے درمیان ایک باغیچہ اور ایک عمارت تعمیر کروائی تھی، اور آمد و رفت کے لئے تال کے کنارے سے اس عمارت تک ایک پل بندھوایا تھا، چونکہ امتدادِ زمانہ سے یہ عمارت گر بڑ گئی تھی، اس لئے جب جہانگیر احمد آباد کی طرف روانہ ہوا تو صفی خان بخشی گجرات نے شاہی خزانہ سے اس کی مرمت کروائی، اور ایک جدید عمارت جس کا رُخ تال کی طرف تھا تعمیر کروائی، اور ایک باغیچہ لگوایا[۴]

احمد آباد میں سلاطینِ گجرات نے جو عمارتیں بنوائی تھیں، چونکہ وہ بالکل ویران ہو گئی تھیں، اس لئے

---

۱ تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۱۳۸، ۲ ایضاً ص ۱۰۰، ۳ مآثر الامراء جلد دوم ص ۵۰۸، ۴ تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۱۰،

جہانگیر کے زمانہ میں مقرب خان نے ان کو نئے سرے سے بنوایا، اور اس کے ساتھ دوسری ضروری عمارتیں بھی تعمیر کروائیں، چنانچہ جہانگیر تزک میں لکھتا ہے:

"منازل سلاطین گجرات کہ درون بدر واقع بود درین پنجاہ شش سال خراب شدہ واثرے از آنہا نماندہ غایتہ جمعے از بندہائے ما کہ بحکومت این ملک تعین بودند عمارات ساختہ اند درین ولا کہ از ماندو متوجہ احمد آباد شدم مقرب خان منازل قدیم را از سرنو تعمیر نمودہ نشیمنہای دیگر کہ ضروری بود مثل جھروکہ عام وخاص وغیرہ ترتیب داد،"[۱]

جہانگیر نے کشمیر کے راستوں اور منزلوں میں بھی بہت سے مکانات بنوائے تاکہ خیمہ وغیرہ کی ضرورت نہ ہو، چنانچہ تزک میں منزل نور آباد کے متعلق لکھتا ہے:

"از گھاٹ بھٹ تا کشمیر بدستور یکہ تا پیر پنجال در راہ منزل بہ منزل خانہا ونشیمنہا ساختہ اند درین راہ نیز اساس یافتہ واصلا بخیمہ وسائر رخوت فراشخانہ احتیاج نیست"[۲]

کشمیر میں ایک چشمہ آصف آباد تھا، جو مچھی بھون کے نام سے مشہور تھا، اس جگہ یمین الدولہ نے جہانگیر کے حکم سے بہت سی عمارتیں حوض، نہر اور باغات تیار کرائے تھے، اور شاہجہان نے کشمیر کے سفر میں اسی جگہ قیام کیا تھا، جہانگیر نے کشمیر کی رونق وآبادی بڑھانے کے لئے جو عمارتیں تعمیر کرائیں اس کا اندازہ بادشاہ نامہ کی اس عبارت سے ہو سکتا ہے۔[۳]

"در زمان حضرت جنت مکانی کہ در اواخر سلطنت پنج مرتبہ تشریف فرمودند، چون توجہ والا مصروف تزئین این سرزمین نشاط آگین بافراختن عمارات واصلاح درختان میوہ دار بپیوند و جز آن داشتند از انحو بود بسیار بیش آمد،"[۴]

---

[۱] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۱۳، [۲] ایضاً مطبوعہ نولکشور ص ۳۰۶، [۳] بادشاہ نامہ حصہ اول ص ۵۰، [۴] ایضاً ص ۵۵۔

جہانگیر کا یہی تعمیری ذوق ہے جو اس کو سلاطین ماضیہ کی عمارتوں کی سیر پر آمادہ کرتا ہے، اور وہ نہایت زرف نگاہی سے ان کو دیکھتا ہے، اور ان کے ایک ایک جزئیات کی تفصیل کرتا ہے، چنانچہ تزک میں اس نے اس قسم کی متعدد عمارتوں کا تذکرہ کیا ہے، ایک موقع پر لکھتا ہے،

"ماندو مدتوں اس ملک کے بادشاہوں کا پایہ تخت رہا ہے، اور گذشتہ بادشاہوں کے آثار و عمارات وہاں اب تک موجود ہیں اور ان کو اب تک کوئی نقصان نہیں پہنچا ہے، میں ان بادشاہوں کی عمارت کی سیر کے لئے روانہ ہوا، اور پہلے مسجد جامع میں جو سلطان ہوشنگ غوری کی تعمیر کردہ ہے، آیا نہایت عمدہ عمارت ہے، اور تمام تر پتھر تراش کر بنائی گئی ہے، اور باوجودیکہ ایک سو اسی سال اس کی تعمیر پر گذر چکا ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ گویا آج ہی معمار نے اس کی تعمیر کا کام ختم کیا ہے، اس کے بعد میں حکام خلجیہ کے مقبرے میں آیا،"[۱]

اسی طرح گجرات میں جامع مسجد کے دیکھنے کے لئے گیا ہے، اور اس کے ایک ایک جزئیات کی تفصیل کی ہے اور لکھا ہے کہ

"این مسجد از آثار سلطان احمد بانی شہر احمد آباد است، والحق این مسجد بناے است بغایت عالی"[۲]

تیموری دور کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس دور سے ہندوستان میں ایک جدید طرز تعمیر کا رواج ہوا، اور وسیع اور پر فضا عمارتیں تعمیر ہوئیں، جہانگیر اگرچہ ہندوستان کا دلدادہ ہے، اور یہاں کی بہت سی چیزوں کو پسند کرتا ہے، تاہم اس کو ہندوانہ طرز کی تنگ و تاریک عمارتیں پسند نہیں، بلکہ وہ عمارات میں وسعت اور فضائیت تلاش کرتا ہے، چنانچہ تزک میں ایک موقع پر لکھتا ہے،

"چون منازل و عمارات درون حصار بروش ہندوان اساس یافتہ و خانہا را بے ہوا

---

[۱] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۱۸۱، [۲] ایضاً ص ۲۱۲-۲۱۳،

وکم قضا ساختہ اند دلنشیں نیفتاد و خاطر نیز بتوقف راضی نشد، حمامے بنظر در آمدہ کہ یکے از نوکران رستم خان متصل بحصار قلعہ ساختہ باغچہ و نشیمنے مشرف بصحرا خالی از فضائے وہوائے نیست[۳۱]

جہانگیر کے زمانہ میں امرار اور وابستگان دولت نے بھی بہت سی عمارتیں بنوائیں، چنانچہ ہلال نامی خواجہ سرانے جو ابتدار میں جہانگیر کا میر تزک تھا، قصبہ رنگتہ میں جو آگرہ سے ۶ کوس کے فاصلہ پر واقع ہے (یہ قصبہ اس کی جاگیر میں تھا) ایک چھوٹا سا قلعہ تعمیر کیا، اور ایک پختہ سرائے بنوائی، اور اس کا نام ہلال آباد رکھا، اس نے آگرہ میں دار در وازہ کی جانب بھی ایک بلند اور عمدہ عمارت بنوائی،[۳۲]

امرائے جہانگیری و اکبری میں شیخ فرید مرتضیٰ خان بخاری نے جو نہایت فیاض تھے،

۱- احمد آباد میں ایک محلہ آباد کیا جس کا نام بخارا تھا،

۲- شاہ وجیہ الدین گجراتی کا روضہ اور مسجد تعمیر کی،

۳- دلی میں فرید آباد کو آباد کیا، اور اس میں تالاب اور عمارتیں اپنی یادگار چھوڑیں

۴- لاہور میں ایک محلہ آباد کیا،

۵- لاہور کے چوک میں ایک بڑا حمام بنوایا،[۳۳]

اس عہد میں ملک عنبر نے موضع کھرکی میں جو دولت آباد یعنی اورنگ آباد سے پانچ کوس کے فاصلہ پر واقع تھا، تالاب، باغ اور بہت سی بلند عمارتیں تعمیر کروائیں، اور اس طرح اس کی آبادی میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا[۳۴]

جہانگیر کے بعد شاہجہان کا دورِ حکومت شروع ہوا، جو تعمیری حیثیت سے خاص طور پر امتیاز رکھتا ہے، اس دور میں جو عمارتیں تعمیر ہوئیں، ان میں تاج محل جو شاہجہان کی محبوب بیوی ارجمند بانو بیگم

---

[۳۱] تزک جہانگیری مطبوعہ نولکشور ص ۲۵۵، [۳۲] مآثر الامراء حصہ دوم ص ۴۰۷، [۳۳] ایضاً جلد دوم صفحہ ۶۳۹، [۳۴] ایضاً حصہ سوم ص ۹۔

الخاطب بہ ممتاز محل کا مقبرہ ہے، نہایت مشہور ہے، ممتاز محل نے ۱۰۴۰ھ میں بمقام برہان پور انتقال کیا تھا، اور ان کی لاش وہیں باغ زین آباد میں بطور امانت کے دفن کی گئی تھی، اس کے ۶ مہینے کے بعد شاہزادہ محمد شجاع، وزیر خان اور ستی خانم صدر النسا، اس کو اکبر آباد میں لائے، اور دریائے جمنا کے جنوبی کنارہ پر دفن کیا، اور وہیں یہ مقبرہ مکرمت خان کے اہتمام میں ۱۲ سال کی مدت میں پچاس لاکھ روپیہ کے صرف سے تعمیر کیا گیا، اور حویلی اکبر آباد اور پرگنہ نگرچند کے ۳۰ گانوں جن کی مالگذاری ایک لاکھ روپیہ تھی، اور مقبرہ کے آس پاس کی دوکانیں اور عمارتیں جن کا کرایہ دو لاکھ تھا، اس کے مصارف کے لئے وقف کئے گئے،[۳۵]

شاہجہانی عہد کی مشہور عمارتوں میں دوسرا درجہ قلعہ شاہجہان آباد کا ہے، جو ساٹھ لاکھ روپیہ کے صرف سے آٹھ سال کی مدت میں تیار ہوا، تعمیر کا کام پہلے غیرت خان کے اہتمام میں شروع ہوا، پھر الہ وردی خان کی دارو غگی میں اس کی تعمیر ہوئی، اور مکرمت خان کے اہتمام میں تکمیل کو پہنچا،[۳۶]

اس قلعہ اور شہر کی فصیل کی تیاری کے بعد قلعہ کے متصل شاہجہان نے ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر کا حکم دیا، جس کی نظیر ابتدائے اسلام سے ہندوستان میں موجود نہ تھی، یہ مسجد دس لاکھ روپیہ کے صرف سے ۶ سال کی مدت میں تین چار امراء یعنی خلیل اللہ خان جعفر خان، سعد اللہ خان اور روح اللہ خان کے اہتمام میں تعمیر ہوئی،

ع قبلۂ حاجات آمد مسجد شاہجہان

اس کی تکمیل کی تاریخ ہے،[۳۷]

اس قسم کی دوسری مسجد آگرہ کی جامع مسجد ہے، جو قلعہ اکبر آباد کے متصل ۵ لاکھ روپیہ کے صرف سے سات سال کی مدت میں سنگ سرخ سے تعمیر کی گئی،[۳۸]

شاہجہان نے خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ کے روضہ کی زیارت کی تو روضے کے مغربی جانب ایک

---

[۳۵] مآثر الامراء جلد اول ص ۱۶۰ و خافی خان حصہ اول ص ۵۹۶، [۳۶] خافی خان حصہ اول ص ۶۸۱، [۳۷] ایضاً حصہ اول ص ۵۸۷، [۳۸] ایضاً صفحہ ۴۲۰،

نہایت عمدہ مسجد سنگ مرمر کی بنوائی،[1]

اکبر کے زمانہ سے لیکر جہانگیر کے زمانہ تک قلعہ اکبر آباد کے جھروکہ دولت خانہ خاص و عام کے سامنے کوئی ایسا ایوان نہ تھا، کہ اس میں تمام متوسلین سلطنت بیٹھکر بارش اور دھوپ سے محفوظ رہ سکیں، بلکہ اس کے لئے کپڑے کا ایک ایوان کھڑا کر دیتے تھے، اور اسی میں تمام متوسلین سلطنت بیٹھتے تھے، لیکن شاہجہان کے حکم سے اس کے سامنے ۰۰ گز کا لمبا اور ۲۴ گز کا چوڑا ایک ایوان ۴۰ دن کی مدت میں تیار ہوا، اور اس کے تین طرف چاندی کے کٹہرے بنوائے گئے، اور ان میں تمام متوسلین سلطنت کیلئے جیسا کہ بادشاہ نامہ میں بہ تفصیل مذکور ہے، حسب مراتب جگہیں مقرر کی گئیں، طالب کلیم نے یہ رباعی اسی ایوان کے وصف میں لکھی ہے،

این تازہ بنا کہ عرش ہمسایہ اوست	رفعت حرفے ز رتبت پایۂ اوست
باغیست کہ ہر ستون سبزش سرو ست	کاسایش خاص و عام در سایۂ اوست

شاہجہان نے اسی قسم کا ایک ایوان دار السلطنت لاہور اور برہان پور میں بھی جھروکہ دولت خانہ خاص و عام کے سامنے بنوایا،[2] اور عمارت شاہ برج کی تکمیل کرائی، جس کے تفصیلی حالات بادشاہ نامہ میں مذکور ہیں، وہان سے معلوم ہوتا ہے، کہ اس میں ہر قسم کے نقش و نگار کے ساتھ مختلف شہرون اور اُن کے باغون کی تصویرین بھی بنی ہوئی تھیں،[3]

لاہور میں دولت خانہ خاص اور آرام گاہ دولت خانہ خالی کی جو عمارتیں جہانگیر نے تعمیر کروائی تھیں چونکہ وہ شاہجہان کو پسند نہ تھیں، اس لئے زمانہ سفر کشمیر میں اُن کی جگہ نئی عمارتیں بنوائیں، اور ان کا نقشہ تیار کرکے وزیر خان اور عمارات شاہی کے دوسرے عہدیدارون کے سپرد کیا، اور حکم دیا کہ کشمیر کی واپسی کے زمانہ تک تمام عمارتیں مکمل ہو جائیں،[4] کشمیر میں ایک موضع کا نام وہ اچول تھا، جہان جہانگیر نے دولت خا

---

[1] بادشاہ نامہ حصہ اول ص ۰۰، [2] خافی خان حصہ اول ص ۴۰۴،

[3] بادشاہ نامہ حصہ اول ۲۲۲-۲۲۵ [4] بادشاہ نامہ حصہ اول ص ۱۲، ۱۳

خاص تعمیر کروایا تھا، لیکن یہ عمارت پرانی ہو گئی تھی، اور اس کا نقشہ بھی شاہجہان کے پسند کے موافق نہ تھا، اس لئے اثنائے سفر کشمیر میں حکم دیا کہ خاص شاہی قیام کے لئے دوسری عمارتیں جن میں آبشار اور حوض ہون تعمیر کرائی جائیں، اور اُن کے علاوہ دولت خانہ خاص و عام بھی تعمیر ہو، چنانچہ اس جگہ پہلے سے بہتر عمارتیں تعمیر ہو گئیں،[1]

شاہانِ تیموریہ کو شکار کا نہایت شوق تھا، اور اس غرض سے خاص خاص مقامات شکار کے لئے مخصوص کر لئے گئے تھے، اور وہان کئی کئی دن قیام ہوتا تھا، اس لئے ان شکار گاہون میں قیام کرنے کے لئے لازمی طور پر عمارتیں تعمیر کروانی پڑتی تھیں، دار السلطنت لاہور کے اطراف میں ایک شکار گاہ تھی، جس کا اصلی نام جہانگیر آباد تھا، لیکن ہرن منارہ کے نام سے مشہور تھی، جہانگیر نے اپنے عہدِ حکومت میں اس جگہ ایک عمارت تعمیر کروائی تھی، لیکن وہ شاہجہان کو پسند نہ آئی، اس لئے حکم دیا کہ اس جگہ دوسری عمارت تعمیر کروائی جائے، چنانچہ ایک سال میں اسی ہزار روپیہ کے صرف سے نہایت عمدہ عمارت تیار ہو گئی،[2]

دار السلطنت اکبر آباد کے پاس ایک اور شکار گاہ باری نامی تھی، جس کے تالاب کے کنارے دو سال کی مدت میں ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ کے صرف سے شاہ جہان نے عمارتیں تعمیر کروائی تھیں، چونکہ یہ عمارتیں سنگ سُرخ سے تعمیر ہوئی تھیں، اس لئے ایک شکار کے سفر میں شاہجہان نے ان میں قیام کیا تو ان کا نام لال محل رکھا،[3]

اودے پور میں رانا اودے سنگھ نے پہاڑ کے اوپر اور تالاب بجولا اور تالاب اودے ساگر کے درمیان جو عمارتیں تعمیر کرائی تھیں، چونکہ وہ بالکل ہندوؤن کے طرز تعمیر کے مطابق تیار ہوئی تھیں، اس لئے وہ شاہجہان کو پسند نہ تھیں، اس کے ساتھ بعض لڑائیون میں ویران بھی ہو گئی تھیں، اس لئے شاہجہان کے

---

[1] بادشاہ نامہ حصہ اول ص ۱۰۵ [2] ایضاً ص ۱۴ [3] ایضاً ص ۲۳۴

حکم سے ان کھنڈرون کی جگہ تیموری طرز تعمیر کے مطابق نئی عمارتین تعمیر ہوئین، اور پہاڑ کے اوپر بھی تال کے سامنے عمدہ عمارتین بنوائی گئین، اور امراء و متوسلین نے بھی دولت خانہ کے ارد گرد بلند عمارتین بنوائین[۱] اور اس طرح گویا ایک پورا شہر جدید طرز تعمیر کے مطابق آباد ہو گیا،

اس دور مین ایرانی طرزِ تعمیر کے مطابق پشاور مین جو عمارتین تیار ہوئی تھین، وہ اگرچہ اثناے سفر کابل مین شاہجہان کو پسند نہ آئین، لیکن علی مردان خان نے اصفہانی طرز تعمیر کے مطابق بازار مین جو مسقف راستے بنوائے تھے، اور بازار کے چارون طرف کو ثمن بغدادی کے طریقے پر آراستہ کیا تھا، وہ اس کو نہایت پسند آئے، اس نے ان کو دیکھ کر حکم دیا کہ اس کا نقشہ مکرمت خان ناظم دہلی کے پاس جس کے اہتمام مین شاہجہان آباد کا نو تعمیر قلعہ مین رہا تھا، روانہ کیا جائے[۲]،

شاہجہانی عہد مین جو عمارتین تعمیر ہوئین، اُن کے مصارف کی تعداد ہمارے مورخین نے ڈھائی کروڑ بتائی ہے، اور ان کی تقسیم اس طرح کی ہے،

تاج گنج	۵۰ لاکھ
آگرہ کی دوسری عمارتین	۵۲ لاکھ
قلعہ شاہجہان آباد	۵۰ لاکھ
جامع مسجد دہلی	۱۰ لاکھ
عمارات و باغاتِ لاہور	۵۰ لاکھ
عماراتِ کابل	۱۲ لاکھ
کشمیر کی سیرگاہین	۸ لاکھ
قندھار کی عمارتین	۸ لاکھ

[۱] عمل صالح جلد اول ص ۴، [۲] خافی خان حصہ اول ص ۲۶۰

احمد آباد اور اجمیر وغیرہ کی عمارتین[۱]،	۱۰ لاکھ

بادشاہ نامہ کے مصنف نے اگرچہ مجموعی تعداد یہی رکھی ہے، لیکن تقسیم مین کسی قدر اختلاف کیا ہے، اوسکی تصریح کے مطابق اس کی تقسیم یہ ہے:

عماراتِ آگرہ	ایک کرور دس لاکھ	اس میں سے ساٹھ لاکھ روپیے، اندرونِ قلعہ کی مسجد پر جو سنگ مرمر کی ہے، اور دولت خانہ اور دوسری عمارتوں اور باغوں پر صرف ہوئے، اور پچاس لاکھ تاج محل پر،
عماراتِ شاہجہان آباد	پچاس لاکھ	جامع مسجد کی تعمیر کے مصارف اس سے الگ ہین،
عمارات و باغاتِ لاہور	"	
عماراتِ کابل	۱۲ - لاکھ	
عماراتِ کشمیر	۸ - لاکھ	
حصار قندھار و بست زمینداور،	۸ - لاکھ	
عماراتِ اجمیر و احمد آباد[۲]،	۱۲ - لاکھ	

لیکن اکثر یورپین مورخ اور یورپین سیاح اس تعداد کو صحیح نہین سمجھتے اور سلاطینِ تیموریہ پر یہ الزام لگاتے ہین کہ انھون نے معمارون اور مزدورون کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کیا، اور ان سے بطور بیگار کے کام لیا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ مین غلہ کی ارزانی کی وجہ سے معمارون اور مزدورون کی شرح اجرت بہت

[۱] مآثر الامراء جلد دوم ص ۲۱۹ [۲] بادشاہ نامہ حصہ دوم صفحہ ۱۳،

کم تھی، اور غالباً تاریخون اور کتبون مین صرف معمارون اور مزدورون اور مصالح کے اخراجات کی تعداد درج ہے، ان کے علاوہ جو مصارف تھے وہ ان سے الگ ہین، مثلاً تعمیرات کے اسٹاف یعنی اعلیٰ عہدہ دارون کی تنخواہ اس سے الگ ہے، پتھر شاہی کانون سے لائے جاتے تھے، لکڑی بھی شاہی جنگلون سے آتی تھی، بلور اور جواہرات کا بار خزانۂ عامرہ پر تھا، لیکن بہرحال اگر مصارف کی تعداد اس سے زیادہ ہو تو اس کو تسلیم کر لینے مین ہمارا کوئی ہرج نہین بلکہ اس سے سلاطینِ تیموریہ کی بلند حوصلگی اور فیاضی کا مزید ثبوت ملتا ہے؛

(باقی)

سلسلۂ سیر الصحابہ

اسوۂ صحابہ جلد اول

حضرات صحابہؓ کے عقائد، عبادات، اخلاق، معاشرت کی صحیح تصویر اور قرون اولیٰ کے اسلام کا عملی خاکہ (زیرِ طبع)

اسوۂ صحابہ جلد دوم

صحابۂ کرام کے سیاسی، انتظامی، اور علمی کارنامون کی تفصیل، ضخامت ۴۵۶ صفحے

قیمت :- چار روپیہ آٹھ آنہ، (للعہ)

سیر الصحابیات

ازواجِ مطہراتؓ، بناتِ طاہراتؓ اور عام صحابیاتؓ کی سوانح عمریان، اور ان کے علمی و اخلاقی کارنامے، قیمت :- ؎ عہ

"منیجر"

حضرت خواجہ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ

چراغ دہلی

از

جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب، ام - اے

نام و نسب — اسم مبارک محمود، نصیر الدین محمود گنج اور چراغ دہلی القاب تھے، آپکے جد بزرگوار شیخ عبد اللطیف یزدی خراسان سے لاہور آئے، حضرت نصیر الدین محمود کے والد بزرگوار شیخ محمود یحییٰ اسی شہر مین پیدا ہوئے، اور سن شعور مین اودھ منتقل ہو گئے تھے، یہان وہ پشمینہ کی تجارت کرتے تھے جس مین اُن کو بڑا فروغ حاصل ہوا، ان کے پاس بہت سے غلام تھے،[1]

حضرت نصیر الدین محمود کی ولادت باسعادت اسی خطہ مین ہوئی، بعض تذکرہ نگارون نے مقام پیدائش اجودھیا، اور بعض نے بارہ بنکی لکھا ہے، اسی لئے نام کے ساتھ اودھی لکھا جاتا ہے، خزینۃ الاصفیا مین ہے کہ نسباً سادات حسنی مین سے تھے،[3]

ابتدائی تعلیم — نو سال کے تھے کہ والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا، تعلیم و تربیت کا فرض والدہ ماجدہ نے انجام دیا، اُن کے زہد و تقویٰ کے اثر سے بچپن ہی مین نماز باجماعت کے پابند ہو گئے تھے، جو کسی حال مین بھی فوت نہین ہوتی تھی، خیر المجالس کے ایک ملفوظ مین ہے کہ فقہ کی مشہور کتاب بزدوی قاضی محی الدین کاشانی سے

---

[1] سیر العارفین ص ۹۰، [2] سیر الاولیا ص ۲۳۸، [3] خزینۃ الاصفیا ص ۳۵۳،

پڑھی[1]، لیکن سیر العارفین میں ہے کہ ابتدا میں "مولانا عبدالکریم شیروانی علامۂ زمان سے ہدایہ اور بزدوی کو پڑھا، بعد وفات مولانا افتخار الدین محمد گیلانی سے جمیع علوم حاصل کئے،" (جلد ۲ ص ۴۰)

ترک و تجرید پچیس سال کی عمر میں ترک و تجرید اختیار فرمائی، اور مجاہدۂ نفس میں مشغول ہوئے، گرد و نواح کے جنگل و بیابان میں ایک درویش کے ہمراہ آٹھ سال تک گھومتے رہے، اس صحرا نوردی میں بھی نماز باجماعت کے پابند رہے، روزے بھی ترک نہیں ہوئے، برگ سنبھالو سے افطار کیا کرتے تھے،

بیعت سیر العارفین اور مراۃ الاسرار میں ہے کہ ۴۳ سال کی عمر میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کیا، بیعت کے ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ محمودؒ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی قیام گاہ کے پاس ایک درخت کے نیچے متحیر کھڑے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیا بالاخانہ سے نیچے اتر رہے تھے، کہ شیخ محمود پر اُن کی نظر پڑی، خادم خاص کے ذریعہ خلوت میں بلا کر دل کی کیفیت پوچھی، عرض کیا درویشوں کی جوتیاں سیدھی کرنے آیا ہوں، اس جواب سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا نے شیخ محمود میں سچی طلب محسوس کر کے اُن کی جانب توجہ فرمائی، اثنائے گفتگو میں فرمایا جب میں اپنے مرشد کی خدمت میں رہتا تھا، تو اجودھن میں میرے ایک ہم سبق نے میرے پھٹے کپڑے دیکھ کر کہا تمھارا یہ کیا حال ہے؟ اگر تم اس شہر میں لڑکوں ہی کو پڑھایا کرتے تو بھی

---

[1] مجلس چہل و ششم میں ہے، (اردو ترجمہ ص ۱۰۹)

"جناب خواجہ ذکرہ اللہ تعالیٰ بالخیر قاضی محی الدین کاشانی کے ذکر میں تھے، فرمایا میں نے بزدوی انہی سے پڑھی ہے، پھر ان کے طبع رسا اور دقت نظر کا بیان کیا کہ بڑے محقق تھے، اس مجلس میں ایک مرید جناب سلطان المشائخ کا حاضر تھا، اوس نے یہ قصہ بیان کیا، کہ ایک بار قاضی محی الدین کاشانی سخت بیمار ہو گئے یاروں نے ان کی صحت دشوار جانی، حضرت سلطان الاولیاء سُن کر اُن کی عیادت کو تشریف لائے وہ دیکھ کر اٹھے اور اپنے آپ کو سنبھال کر شیخ کی تعظیم کی، اسی وقت سے مرض میں تخفیف ہو گئی، جب حضرت شیخ لوٹ گئے تو کہا شیخ بظاہر میری عیادت کو آئے تھے، مگر دیکھو کس طرح در پردہ سلب مرض کر گئے،

نہیں فارغ البالی ہو جاتی، میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا، اور مرشد کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے دیکھ کر فرمایا نظام الدین! اگر تمھارا کوئی دوست تمھارا یہ حال دیکھ کر تم سے پوچھے کہ آخر یہ کیا حالت ہے؟ تعلیم دینے سے تم کو فارغ البالی حاصل ہو جاتی، اس کو کیوں ترک کر دیا، تو اس کا کیا جواب دوگے، میں نے عرض کیا جو ارشاد ہو، فرمایا یہ شعر جواب میں پڑھ دینا،

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیر و برو

ترا سعادتے بادا مرا نگون ساری

اس کے بعد ایک خوان طلب فرمایا، اور مجھ سے کہا اس کو سر پر رکھ کر جہاں تمھارا دوست ہے وہاں لے جاؤ، میں نے ایسا ہی کیا، دوست نے میرا یہ حال دیکھ کر کہا تمھیں یہ صحبت اور یہ حالت مبارک ہو،[1]

حضرت شیخ محمود نے یہ واقعہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی زبانی سُنا تو دل میں عشقِ الٰہی کی آگ شعلہ زن ہونے کے ساتھ مرشد کی محبت بھی پیوست ہو گئی، اور بیعت کے بعد بڑی دل سوزی سے مرشد کی خدمت شب و روز کرتے رہے، اسی لئے تمام درویش اُن کو نصیر الدین محمود گنج کہا کرتے اور بہت محبوب رکھتے تھے،[2]

حضرت نصیر الدین محمود کو اپنے مرشد سے جو والہانہ شیفتگی تھی، اس کا ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے، کہ ایک مرتبہ حضرت محبوب الٰہی کی خانقاہ میں حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی کے ایک مرید خواجہ محمد گازرونی آکر مقیم ہوئے، وہ تہجد کی نماز کے لئے اٹھے تو جماعت خانہ میں کپڑے رکھ کر وضو کرنے گئے، واپس ہوئے تو کپڑے غائب تھے، اُن کی تلاش میں شور و شغب کرنے لگے، حضرت شیخ نصیر الدین محمود خانقاہ کے ایک گوشہ میں عبادت میں مشغول تھے، خیال ہوا کہ اس شور و شغب سے مرشد کی عبادت میں خلل پڑے گا، اس لئے خواجہ محمد گازرونی کے پاس پہنچے اور اپنے کپڑے اتار کر ان کو دیدیے، صبح کو

---

[1] سیر الاولیا، ص ۲۴۰، ۲۳۸، [2] سیر العارفین جلد ۲ ص ۴۰،

جب یہ واقعہ حضرت محبوب الٰہی کو معلوم ہوا تو حضرت نصیر الدین محمود کو بالاخانہ پر طلب کرکے اپنی خاص پوشاک عطا کی، اور اُن کے لئے دعاے خیر کی[1]،

ریاضت | بیعت کے بعد مرشد کی ہدایت کے بموجب ریاضت و مجاہدہ کا سلسلہ جاری رکھا، دس دس روز گذر جاتے اور کچھ نہ تناول فرماتے، اور جب خواہشات کا غلبہ ہوتا تو لیموں کا عرق پی لیتے[2]،

سیر العارفین میں ہے کہ کچھ دنوں مرشد کی خدمت میں رہنے کے بعد والدہ ماجدہ کے پاس چلے گئے[3]، لیکن یہاں خلق اللہ کے ہجوم سے یاد الٰہی میں سکون میسر نہیں ہوتا، اس لئے حضرت امیر خسرو کے ذریعہ مرشد کی خدمت میں عرض حال کرکے جنگل میں جاکر عبادت کرنے کی اجازت مانگی، حکم ملا کہ وہ خلق کے درمیان ہی میں رہیں، اور خلق کی جفاؤں کو برداشت کریں، اس ایثار کا بدلہ ان کو ملے گا، اسی سلسلہ میں حضرت محبوب الٰہی نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مختلف افراد مختلف کاموں کے لئے موزوں ہوتے ہیں، اسی لئے میں کسی سے تو یہ کہتا ہوں کہ اپنے لب کو بھی بند رکھے، اور اپنے دروازے کو بھی، کسی سے ہدایت کرتا ہوں کہ وہ مریدوں کی تعداد بڑھائے، اور کسی کو یہ حکم دیتا ہوں کہ خلق اللہ کے درمیان ہی میں رہے، اور اُن کی جفاؤں کو برداشت کرتے ہوئے اُن سے حُسن سلوک سے پیش آئے، یہی مقام انبیاء داولیا ہے[4]،

حضرت شیخ نصیر الدین نے مرشد کے حکم کی تعمیل کی، اور آبادی میں رہ کر عبادت و ریاضت کو جاری رکھا، ملفوظات خیر المجالس (مرتبہ حمید شاعر معروف بہ قلندر) میں ہے:

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۴۹، بعض تذکروں میں یہ روایت کسی اور موقع پر درج ہے لیکن سیر الاولیاء میں یہ روایت ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے "در ابتداء بنظر خاص سلطان المشائخ محو فا گشتہ بود......" اور روایتوں میں بھی کہیں کہیں تقدیم و تاخیر ہوگئی تھا اگر عاجز راقم...... سے بھی روایتوں کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر ہوگئی ہو تو وہ ناظرین سے معذرت کا خواہاں ہے۔ [2] سیر الاولیاء ص ۲۴۱، اخبار الاخیار ص ۵، [3] سیر العارفین ص ۵۴

[4] سیر الاولیاء ص ۲۳۸،

"سالہا سال مجکو یہ آرزو رہی کہ ایک تہبند و کرتہ پہن کر کلاہ سر پر رکھ کر کوہ و بیابان یا کسی مسجد و مزار میں جا بیٹھوں، پھر شہر کو یاد کرکے فرمایا کہ وہاں بہت حظیرے دلپسند ہیں، وہاں مجھکو خلوت سے بہت راحت و تسکین ہوتی تھی، ان دنوں وہ مزار اور حظیرے نہیں رہے، سنتا ہوں کہ وہ سب مقامات دلکش خراب و برباد ہوگئے ہیں، پھر فرمایا کہ خواجہ محمود والد معین الدین جو بھائی مولانا کمال الدین کا ہے، میرے ہمراہ ہوا کرتا، ہمیشہ نماز صبح مسجد میں پڑھ کر ہم نکلتے اور وظیفہ پڑھتے جاتے، راہ میں جب کسی مزار پر پہنچتے، تو میں محمود سے کہتا اب تم جاؤ مکان جاؤ، جا ہو کسی اور مزار پر تنہا مشغول ہو، وہ میرا کہنا قبول کرکے جدا کسی مزار پر ظہر تک جاکر مشغول ہو جاتا، پھر ہم نماز کے وقت طہارت کو نکلتے، اذان کہتے، دس بارہ درویش اپنے مقام مشغولی سے آکر جمع ہو جاتے، نماز با جماعت پڑھتے، اور مجکو امام بناتے، پھر باقی روز ذکر و شغل میں گذرتا، یہاں تک کہ نماز مغرب و عشاء زمین صحراء میں ہوتی، پھر وظیفہ پڑھتے ہوئے، گھر آتے، اور جب جنگل میں دن کو قیلولہ کرتے، تو گرد چند درختوں کے رسّی گھیر دیتے اور درمیان میں سو رہتے، نہ درندے کا ڈر ہوتا، نہ چور کا، کہ بدھنا یا جوتا لیجائیگا، شب کو گھروں میں ایک جگہ مقرر تھی، وہاں مشغول رہتے، اسی راحت و آرام میں چند سال گذر گئے، جناب خواجہ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت کا ذکر بڑے ذوق و شوق سے بیان فرماتے تھے، پھر کہا کہ اگر حکم حضرت پیر و مرشد کا نہ ہوتا کہ تو مخلوق کے درمیان رہنا، جفا و قفائے خلق گوارا کرنا، تو کہاں میں تھا، اور کہاں یہ شہر، کسی کوہ و بیابان میں روپوش رہتا، میں نے عرض کی کہ حق وہی ہے جو حضور ارشاد فرماتے ہیں، مگر آپ کو یہاں رہنے کی تاکید اس واسطے فرمایا کہ ہم لوگ سعادت حاصل کریں[1]"

---

[1] دیکھو مجلس پنجاہ خیر المجالس کا اردو ترجمہ سراج المجالس کے نام سے مولانا احمد علی صاحب ٹونکی نے کیا ہے،

حضرت شیخ نصیر الدینؒ مرشد سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً وطن سے دہلی آتے رہتے تھے، یہان ہر جگہ اُن کی بڑی پذیرائی ہوتی، یاران طریقت جس لطف و کرم سے ان کے ساتھ پیش آتے، اس کو اپنی زندگی کے آخری ایام مین بڑے ذوق و لذت سے یاد فرماتے ہین،

"جب مین اودھ سے آیا کرتا، تو اکثر یار میری دعوت کیا کرتے، مولانا برہان الدین غریب طاب ثراہ اور امیر خسرو اور امیر حسن وغیرہ احباب جب میرا آنا سنتے، تو دعاگو کی چند روز تک متواتر دعوت کیا کرتے، اور شیخ سے استدعا کرتے' فلانے کو اجازت دعوت کھانے کی ہو، اور ایک دن پہلے مجھ سے کہدیتے کہ کل ہمارے یہان دعوت ہو کہ اگر اسی دن غیاث پور سے شہر کو جاؤن تو تھک جاؤن تو اس روز مولانا برہان الدین کے گھر مین رہا کرتا، دوسرے دن اُن کے ہمراہ جاتا اور دعوت ظہر تک ہوا کرتی، کبھی عصر تک بھی رہنا ہوتا، جب لوٹتا تو بے وقت ہو جاتا تھا، غیاث پور تک پہنچنا نہ ہوتا، اس رات بھی مولانا برہان الدین کے گھر مین رہنا ہوتا، کبھی تیسرے دن بھی صبح کو کوئی یار آجاتا، اور کہتا ذرا توقف کرو ناشتہ لاتا ہون، غرض چاشت تک ٹھہرنا ہوتا، غرض دوپہر کو غیاث پور پہنچتا، پھر اس دن بھی شیخ کی زیارت کو نہ جا سکتا"

جب مرشد کی زیارت نہ ہوتی، تو بڑی تکلیف محسوس کرتے، فرماتے ہین :-

"ان دنون مین ایسا ہی ہوا کہ متواتر تین دعوتین ہوئین، اور ہر دعوت مین تین تین دن شہرون مین رہنا پڑا، اور نو روز تک زیارت شیخ میسر نہ ہوتی، ہر جگہ سے پیام دعوت آتا، اور شیخ سے واسطے اجازت کے عرض کرنے، شاید ان دنون یاد ہوتا ہے کہ خادم نصیر نامی تھا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۷) جو مسلم پریس دہلی مین چھپا تھا، یہ ترجمہ اگرچہ پرانے طرز کا ہے، لیکن عاجز راقم کو اس مین بڑی کیفیت و تاثیر نظر آئی اسلئے اسی کو بغیر کسی ترمیم کے ہر جگہ نقل کر دیا ہے،

فرمان شیخ پہنچا کہ فلان جا دعوت مین جا، مین نے عرض کی کہ مجھ کو کچھ خدمت مین عرض ہے، اس پر مجھکو طلب فرمایا، مین خدمت مین حاضر ہوا تو فرمایا کیا کہتا ہے، مین نے عرض داشت کی کہ غلام نو دن سے اس اشتیاق مین آتا ہے کہ چند روز زیر قدم خواجہ رہے، اور ہر روز آپ کو دیکھون، یہان ہر کوئی دعوت کرتا ہے اور حضرت شیخ کی خدمت مین عرض کرتا ہے مجھ کو حکم آتا ہے کہ دعوت مین جاؤ صبح سے جاتا ہون اور مولانا برہان الدین غریب کے گھر مین شب کو رہتا ہون، دوسرا دن دعوت کا ہوتا ہے، اس دن بھی حضرت کی خدمت مین آ نہین سکتا، تیسرے دن بھی لوگ روکتے ہین کہ ذرا ٹھہرو، ناشتہ کر لو، دوپہر کو یہان آنا ہوتا ہے، اس دن بھی زیارت نصیب نہین ہوتی، تین دن مفت جاتے ہین یہ سن کر شیخ نے خادم سے فرمایا کہ جو کوئی مولانا کو بلانے آیا ہے اُسے لوٹا دو، اور کہدو کہ یاران شہر کی دعوت کرین، اور اُن کو معذور رکھین[1]"

خود مرشد کو اپنے مرید کی راحت اور خاطر داری کا بہت خیال رہتا تھا، فرماتے ہین :-

"ایک بار مین اودھ سے آیا تھا، اور بھائی یعنی پدر خواجہ یوسف بھی ہمراہ تھے، اور ان دنون مین نے تقلیل طعام کی تھی، بھائی نے مبشر سے کہدیا کہ فلانے نے کھانا چھوڑ دیا ہے، اور معرض تلف مین پڑا ہے، خدمت شیخ مین عرض کر دے، مبشر نے خدمت شیخ مین اور بڑھا کر عرض کی کہ جب رکابی بھر کر فلانے کے واسطے لیجاتا ہون تو بلا کم و کاست ویسے ہی لوٹ آتی ہے، جناب شیخ نے افطار کے وقت ایک قرص قریب دو سیر کا مجھے دیا، اور بہت سا حلوا اس پر رکھا تھا، جن یارون کا صوم دوام ہوتا، ان کو حضرت شیخ کے یہان سے سوائے رمضان شریف سحری ملا کرتی، چنانچہ مولانا فخر الدین زرادی اور مولانا حسام الدین ملتانی اور مولانا شہاب الدین کو کہ یہ ہمیشہ روزہ دار ہوتے تھے، اگر مولانا برہان الدین غریب کے

[1] مجلس پنجاہ و پنجم ص ۱۴۱-۱۴۲،

بسبب ضعف جسم کے روزے سے معذور تھے، ان کو ماہ رمضان میں سحری ملتی اور سحری کو کچھڑی روغن پڑی ہوئی آیا کرتی، بار جیح ہوتے، اور ہاتھ دھو کر کچھڑی کھاتے، غرض جب شیخ نے مجھکو وہ قرص دیا تو میں حیران ہوا کہ ہرگز کس طرح کھاؤن گا، بیمار نہ ہوجاؤن، یہ قرص تو میرے بیس دن بلکہ زائد کو کافی ہے، بعد عشاء وہ قرص مین نے روبرو رکھا اور کچھ کچھ کھانا شروع کیا، بعد آدھی رات کے تھوڑی آنکھ لگی تھی کہ فی الفور اٹھ کر وضو کیا اور تہجد کی نماز پڑھی، پھر وہ قرص لے کر کھانے بیٹھا، برکت ولایت شیخ سے صبح تک سب کھالیا، اور کوئی زحمت نہیں ہوئی"

قیام دہلی — والدہ ماجدہ کی وفات کے بعد وطن چھوڑ کر مستقل طور پر دہلی تشریف لے آئے، اور مرشد کے خاص حجرہ میں سکونت اختیار فرمائی، یہ حجرہ جماعت خانہ میں تھا، مرشد کی صحبت میں فقر، صبر، تسلیم و رضا کی تمام درویشانہ صفتیں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئیں، چنانچہ جیسا کہ سیر العارفین کے مولف کا بیان ہے،

"حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے خلفاء اپنے مرشد اور شیخ نصیر الدین کی ذات پر فخر کیا کرتے تھے" (ص ۸۹، ج ۲)

مرشد کی جانشینی — جب حضرت محبوب الٰہی نے حضرت شیخ نصیر الدین میں وہ تمام باتیں بدرجۂ کمال پائیں جو جانشینی کے لئے موزون تھیں، تو اُن کو دہلی میں اپنا جانشین مقرر فرمایا، اور وفات کے وقت آپ کو خواجگان سے جو خرقہ، عصا، کاسہ اور نعلین ملی تھیں، اُن کو عطا کر کے دہلی کے لوگوں کی جفاؤں کو صبر و سکون سے تحمل کرنے کی تلقین فرمائی، حضرت محبوب الٰہی کی وفات کے بعد جماعت خانہ ان کی بہن کی اولاد کو ترکہ میں ملا، اس لئے حضرت نصیر الدین نے اپنی قیامگاہ کے لئے وہ جگہ منتخب کی، جہاں آپ کی ابدی خوابگاہ ہے،

تنگی معیشت — جانشینی کا ابتدائی زمانہ بہت ہی تکلیف اور عسرت میں گذرا، اپنے ملفوظات میں ان ایام کا

خیرالمجالس مجلس پنجاہ و پنجم ص ۱۴۲-۱۴۱، سیر العارفین ج ۲ ص ۸۹، ایضاً ص ۴۴-۴۲،

ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار روزہ رکھا، دو دن گذر گئے لیکن کچھ کھانے کو نہ ملا، میرا ایک آتن مخنو نامی تھا، وہ دو روٹیاں اور ترکاری دسترخوان میں لپیٹ کر میرے پاس لایا، اس حال میں اس کھانے نے وہ مزہ دیا کہ بیان نہیں ہوسکتا، اکثر راتوں کو میرے گھر میں چراغ روشن نہ ہوتا، چند دن متواتر چولھا نہ سلگتا، میرے اعزہ سامان معاش کرنا چاہتے، لیکن میں ان کو کرنے نہ دیتا، وہ میرا مزاج پہچان گئے تھے کہ میں مشقت اور بے سر و سامانی ہی میں خوش رہتا ہوں، اس لئے میرا خیال چھوڑ دیا، اگر کوئی دنیا دار مجھ سے ملنے آتا تو میں شیخ کا جبہ پہن کر بیٹھ جاتا، جب وہ چلا جاتا، تو کھاروے کا لباس پہن لیتا، جامۂ شیخ پہن کر وضو کرنا پسند نہ کرتا، لیکن اس کو پہن کر لوگوں سے اپنا فقر پوشیدہ رکھتا تھا،

فارغ البالی — کچھ دنوں کے بعد یہ تنگی جاتی رہی، اور اچھے دن آئے، مگر حضرت خواجہ نصیر الدین ان عسرت بھرے دنوں کو یاد برابر کرتے تھے، دو دن کے فاقہ کے بعد ان کو جو روٹی اور ترکاری ملی تھی، اس کے مزے کو یاد کر کے سر ہلاتے اور فرماتے سبحان اللہ یہ فقر بھی کیا نعمت ہے، اس کے اول اور آخر دونوں خوب ہیں، وہ کیا عمدہ دن اور پر ذوق زمانہ تھا، یہ کہہ کر رو دیتے، گویا وہ ذوق پھر حاصل کر لیتے،

فارغ البالی کے زمانہ میں مہمانوں اور مریدوں کے لئے دسترخوان پر اچھے اچھے کھانے ہوتے، خود تو صائم الدہر ہوتے لیکن مہمانوں کو بڑے لطف و کرم سے لذیذ کھانے کھلاتے، کبھی کبھی کسی مہمان کی خاطر افطار کر لیتے، ایک بار دسترخوان پر حلوے کی کئی قسمیں تھیں، ایک حاجی نے عرب کے کھانے بھی اس موقع پر پیش کئے، حاضرین میں ایک صاحب نفل روزہ رکھے ہوئے تھے، حضرت خواجہ نے اُن کی خاطر افطار کر لیا، اور یاروں کو خوب کھانے کی تاکید فرمائی،

تلقین — مہمانوں کو لذیذ کھانا کھلاتے وقت پند و نصیحت کا سلسلہ جاری رکھتے، ایک بار دسترخوان پر عمدہ پلاؤ تھا، حاضرین کو بڑی شفقت و محبت سے کھلا رہے تھے، دست مبارک سے پلاؤ پر تو ڑن

خیرالمجالس مجلس شصت و سیوم، خیرالمجالس، ایضاً مجلس ہفتاد و یکم

میں ڈالتے جاتے، اور تاکید فرماتے یارو خوب کھاؤ، جب لوگ کھا چکے تو فرمایا کہ طعام حلال و طیب وہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت یہ خیال رہے کہ خدائے تعالیٰ دیکھتا ہے، خدا کے واسطے کھائے اور نیت کرے کہ جو قوت اس سے پیدا ہوگی، وہ طاعت و عبادت میں صرف ہوگی، تو وہ شخص عین عبادت و نماز میں ہوگا، فرمایا ایک دن صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم کھانا کھاتے ہیں مگر ہمارا پیٹ نہیں بھرتا، آپ نے فرمایا شاید تم تنہا کھاتے ہو، عرض کیا، ہاں ہر شخص الگ الگ کھاتا ہے، آپ نے فرمایا اب اکٹھا ہو کر کھایا کرو اور پہلے بسم اللہ کہا کرو، اللہ تعالیٰ برکت دیگا،[1]

ایک بار عید ضحیٰ کے دن بہت سے لوگ ملنے کو آئے، اُن کی خاطر دستر خوان بچھایا گیا جس پر اچھے کھانے اور اچھے حلوے تھے، حضرت خواجہ نصیر الدین نے اس موقع پر یہ حکایت سُنائی کہ ایک بار ایک درویش شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اُن کے سامانِ امارت میں بارگاہ شاہی، طنابہائے ریشمی اور میخ ہائے زرین دیکھ کر دل میں سوچنے لگا کہ یہ کیسی درویشی ہے، یہ تو کسی بادشاہ کو بھی میسر نہیں، حضرت ابوسعید نے اس کے خیال کو نور باطن سے معلوم کر لیا، اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا، اے درویش ہم نے خیمہ کی میخ دل میں نہیں نصب کی ہے، زمین میں گاڑی ہے، یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی مثال تیرے سایہ کی ہے، اگر اس کی طرف تو رخ کرے، تو تیرے پیچھے ہوگا، اور اس کی طرف پشت کرے تو تیرے آگے ہوگا،

ایک اور موقع پر حضرت چراغ کے معتقدین آپ کے سامنے پالودہ (فالودہ) نوش کر رہے تھے حضرت نے حسب دستور پند و موعظت شروع کی اور فرمایا کہ ایک بار حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہم قدس سرہ العزیز ایک بادشاہ کے حضور میں پیش کئے گئے،[2] بادشاہ نے اُن کے لئے کھانا منگوایا، ایک آراستہ دستر خوان پر پہلے ان کے سامنے پالودہ کا پیالہ رکھا گیا، حضرت خواجہ ابراہیم نے پیالہ کو غور سے دیکھا، مگر اس میں سے

[1] خیر المجالس مجلس پنجاہ و ہفتم

[2] حضرت ابراہیم بن ادہم ایک شہر کی مسجد میں مقیم تھے، رات کو دروازہ کھول کر باہر نکلے، چوکیدار نے چور سمجھ کر پکڑ لیا اور کوتوال نے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا،

کچھ کھانا پسند نہ کیا، بادشاہ نے پوچھا پالودہ کو آپ دیکھتے ہیں لیکن کھاتے نہیں ہیں، حضرت خواجہ ابراہیم نے فرمایا، پالودے سے قیامت یاد آتی ہے، بادشاہ نے پوچھا کس طرح فرمایا، اس دن دو گروہ ہو جائیں گے، ایک پالودہ اور ایک آلودہ، فریق فی الجنۃ و فریق فی السعیر کا اشارہ اسی طرف ہے، جس نے اپنے آپ کو دنیا میں مجاہدہ، طاعت و عبادت میں پالودہ کیا، وہ تو بہشت میں جائیں گے، اور جو آلودہ معصیت ہیں اُن کو آتشِ دوزخ میں پاک و صاف کر کے بہشت لے جائیں گے، بادشاہ نے یہ سُن کر کہا کہ اے درویش آپ کی باتوں سے میرا دل جل گیا،[1]

چراغ دہلی کا لقب

رفتہ رفتہ حضرت خواجہ نصیر الدین کے رشد و ہدایت کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی، جب حضرت مخدوم جہانیان سید جلال الدین بخاری مکہ معظمہ تشریف لے گئے، تو وہاں کے شیخ امام عبداللہ یافعی سے ایک عرصہ تک تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے، ایک موقع پر شیخ مکہ نے حضرت جلال الدین سے فرمایا اگرچہ شہر دہلی کے بڑے بڑے مشائخ اُٹھ گئے تاہم اُن کی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین محمود کے اندر موجود ہے، اُن کی ذات بابرکات بہت غنیمت ہے، وہ چراغ دہلی ہیں اور مشائخ کی رسموں کو زندہ کرنے والے ہیں، حضرت سید جلال الدین بخاری نے جب سُنا تو اُن کو حضرت خواجہ نصیر الدین محمود سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا، اور وہ مکہ معظمہ سے دہلی آئے، اور حضرت خواجہ نصیر الدین کی قدمبوسی کر کے شیخ مکہ نے جو کچھ کہا تھا اس کو بیان کیا، اسی کے بعد حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کا لقب چراغ دہلی بھی ہو گیا اور اسی لقب سے مشہور ہوئے،[2]

رشد و ہدایت

مذہبی و روحانی استفادہ کے لئے ہند و بیرون ہند کے مختلف مقامات سے ہر طبقہ کے افراد آتے، اور حضرت چراغ دہلی حسب مراتب ان کی تربیت فرماتے،

ایک مرتبہ ایک صاحبِ علم بیعت کے لئے آئے، یہ ہدایہ، بزدوی اور کشاف پڑھ چکے تھے، بیعت کے

[1] مجلس ہفتادم، [2] سیر العارفین جلد دوم ص ۴۴،

وقت حضرت چراغ دہلی نے ارشاد فرمایا جب کوئی طریقت مین داخل ہو تو اس کو چاہئے کہ اپنی آستین چھوٹی کرے، دامن اونچا رکھے اور سر منڈائے، آستین چھوٹی کرنے سے یہ مراد ہے کہ اُس نے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے، تاکہ اس کو مخلوق کے سامنے نہ پھیلا سکے، دامن اونچا کرنے سے یہ مطلب ہے کہ اُس نے اپنا پاؤن قطع کرلیا ہے، تاکہ کسی ایسی جگہ نہ جاسکے جو بری ہو، اور جہان معصیت ہوتی ہو، سر منڈانے کے معنی ہین کہ راہ حق مین اُس نے اپنا سر کاٹ لیا ہے، اور اس سے کوئی بات خلاف شرع ظہور مین آئے[1]

ایک بزرگ بیعت کے لئے آئے، جو نسباً سید اور جوہری بازار کے داروغہ تھے، حضرت چراغ دہلی نے کلاہ منگائی، دست مبارک بیعت کے لئے آگے بڑھایا، اقرار لیا، دوگانہ نماز پڑھوائی، نماز کے بعد مخاطب کرکے فرمایا ہر بات مین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرنی چاہئے، اور تمھارے لئے اور ضروری ہے کہ تم آل رسول سے ہو، رسول کی متابعت دو چیزون مین ہے، جو کچھ خدا اور رسول نے کہا اس کو کرنا، اور جس سے خدا اور رسول نے منع کیا اس سے بچنا، پھر فرمایا خرید و فروخت مین ہرگز جھوٹ بات زبان پر نہ آنی چاہئے، مثلاً ایک چیز پانچ درم کی خریدی ہوئی ہے، جب کسی خریدار کو اس کے لینے پر آمادہ دیکھے، تو یہ نہ کہے کہ مین نے چھ درم مین لی ہے، سات درم مین دونگا، اس سے کچھ برکت نہین ہوتی ہے، بلکہ نقصان ہوتا ہے، ہان اگر یہ کہے کہ پانچ درم ایک دانگ مین دونگا تو اس کے ایک دلم مین برکت ہوگی، اور اس کا مال اس طرح بڑھے گا کہ اس کو خود خبر نہ ہوگی کہ کہان سے بڑھا،[2]

ایک مرتبہ ایک عالم موضع سمانے سے آئے، حضرت چراغ دہلی نے پوچھا کہان سے آتے ہو، عالم نے کہا سمانے سے، یہان کے اکثر لوگ آپ کے مرید ہین، اور وہان کی عورتین بھی بہین سے بیعت رکھتی ہین، اور وہ مردون سے زیادہ صالح ہین، پھر پوچھا کیا شغل رکھتے ہو، عالم نے کہا لڑکون کو پڑھاتا ہون فرمایا یہ عمدہ کام ہے، مطالعۂ کتب مین مشغول رہنا اور دوسرون کو قرآن مجید پڑھانا اچھی بات ہے،

[1] خیر المجالس پانزدہم [2] خیر المجالس بست و ہشتم،

لیکن جو دوسرون کو کلام پاک پڑھائے اُس کو ہمیشہ باوضو رہنا چاہئے،[1]

ایک درویش یمن سے آیا، حضرت چراغ دہلی نے اس کو اپنا پیراہن عطا کیا، اور اپنے پاس بٹھایا، درویش نے کہا آج مین نے خواب مین دیکھا تھا، کہ کوئی مجھکو پیراہن پہناتا ہے، اور کہتا ہے، یہ جامہ شیخ محمود کا ہے، اسی موقع پر مریدون کو مہمان نوازی کی تلقین کی، اور فرمایا مہمانون کی تعظیم و تکریم سے اُن کے دلون مین یگانگت اور محبت پیدا ہوتی ہے،[2]

ایک مرتبہ ایک خاتون آئین اور ایک شخص کی معرفت مرید ہونے کا پیام کہلا بھیجا، حضرت چراغ دہلی نے پانی کا ایک کوزہ منگوایا، اس کو اپنے سامنے رکھ کر کچھ پڑھا، پھر اس مین اپنی انگشت شہادت ڈبوئی، اور اس شخص کو کوزہ دیکر کہا کہ اس کو خاتون کے پاس لیجاؤ، اُن سے سلام کہنا، اور کہنا کہ اپنی شہادت کی انگلی پانی مین ڈال کر کہین کہ مین فلان کی مرید ہوئی، اسی کے ساتھ خاتون کو یہ بھی کہلا بھیجا کہ وہ برابر نماز پڑھتی رہتین اور ایام بیض کے روزے رکھین، غلام و لونڈی کو نہ ستائین نہ مار پیٹ کرین، اور اپنون اور بیگانون سے اخلاق سے ملتی رہین،[3]

ایک مرتبہ ایک کاشتکار آیا، تو اس سے پوچھا کیا کرتے ہو، اس نے عرض کیا زراعت کرتا ہون فرمایا الحمد للہ زراعت اچھا لقمہ ہے، اور بہت سے کاشتکار صاحب حال گذرے ہین، اس کے بعد ایک کاشتکار کی حکایت بیان فرمائی جس مین یہ نصیحت تھی کہ تخم ریزی کے وقت دل شاکر اور زبان ذاکر ہونی چاہئے، اسی سلسلہ مین فرمایا کوئی کام بغیر نیک نیت کے کرنا درست نہین، اگر کوئی اس نیت سے نماز پڑھے کہ لوگ اس کو دیکھ کر نمازی کہین تو اس کی نماز روا نہین، اور بعض کے نزدیک وہ کافر ہو جاتا ہے کہ اس نے عبادت خدا مین اور کو بھی شریک کیا،[4]

ایک مرتبہ شاہ پور سے ایک بزرگ آئے، حال پوچھنے پر عرض کیا کہ قناعت و توکل کی زندگی

[1] مجلس سی و دوم ص ۵، [2] مجلس سی و ہفتم ص ۸۶ [3] مجلس چہلم [4] مجلس چہل و ہشتم،

بسر کرتے ہیں، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا ایک درویش کو چاہئے، کہ اگر اس پر فاقہ گذرے تو بھی اپنی حاجت غیروں سے نہ بیان کرے، اور اگر کوئی اس کے پاس آئے، تو اپنے منہ پر طمانچہ مار کر گالوں کو سُرخ کرے کہ دیکھنے والا اس کے فقر و فاقہ سے مطلع نہ ہو، بیان کیا کہ ایک بار آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم صحابۂ کرام کے ساتھ بیٹھے تھے، فرمایا ہے کوئی جو ایک بات کی ذمہ داری لے تاکہ میں اس کے لئے جنت کی ذمہ داری لوں، ثوبان رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ وہ میں ہوں رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کسی سے کچھ سوال نہ کرنا، ثوبان رضی اللہ عنہ نے اس حکم کو قبول کر کے کسی سے کوئی سوال نہ کرنے کا عہد کر لیا، ایک روز وہ گھوڑے پر سوار جارہے تھے کہ چابک ہاتھ سے گر پڑا، دوسرے سے اٹھا کر نہ مانگا، خود اتر کر اٹھایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے کسی سے سوال کرنے سے منع فرمایا تھا، اس موقع پر حضرت چراغ دہلی کی مجلس میں ایک درویش نے پوچھا، جس چیز سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک کو منع کیا ہو وہ امر کیا اوروں کے لئے بھی لازم ہوجاتا ہے، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا، ہاں سب کے حق میں حکم ممانعت ہوتا ہے[1]،

ایک درویش آیا اور کسی کے ظلم کی شکایت کی، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا تحمل سے کام لو اگر وہ جفا کرے تو بھی معاف کردو کیونکہ ایک درویش کا یہی شیوہ ہوتا ہے[2]،

ایک جوان عرب آیا اس نے ایک کنگھی نذر کی، حضرت چراغ دہلی نے دستِ مبارک سے شانہ دان اٹھا کر پرانی کنگھی نکالی، اور اس میں نئی رکھی، اور جب رکھ لی، تو حاضرین سے پوچھا کہ کنگھی پہلے کس طرف سے رکھی، پھر خود ہی فرمایا دندانوں کی طرف سے پہلے رکھنا چاہئے، کیونکہ وہ بالوں کی تفریق کا باعث بنے پس جو چیز باعث تفریق ہو اس کو دور رکھنا مناسب ہے[3]،

ایک مرتبہ عرب کے ایک عالم آئے، حضرت چراغ دہلی نے پوچھا کیا کام کرتے ہو، عرض کیا تفقہ باقی کرتا ہوں، حضرت چراغ دہلی نے فرمایا شیخ احمد نہروالہ رحمۃ اللہ علیہ بھی

لے [1] مجلس چہل ونہم [2] مجلس پنجاہ و دوم [3] ایضا

نوربافی کیا کرتے تھے، کبھی کبھی کرگہ پر کام کرتے ہوتے، ان پر ایسا حال طاری ہوجاتا کہ غائب ہوجاتے، اور جب موجود ہوتے تو کپڑا بنا ہوا تیار پاتے، اس کے بعد کچھ حکایتیں بیان کیں اور فرمایا کسب و ہنر کا لقمہ پاکیزہ ہے، ابدال اللہ جو کوہستان میں رہتے ہیں، پہاڑ سے لکڑی گھاس، جنگلی دوائیں، پہاڑی میوے وغیرہ لاکر شہر میں بیچتے ہیں، اور کھانا مول لے کر واپس جاتے ہیں[1]،

حضرت چراغ دہلی اپنی مجلسوں میں زیادہ تر کلام پاک اور احادیث نبوی کی تعلیمات پر گفتگو فرماتے، ایک موقع پر فرمایا کہ لوگوں نے قرآن و حدیث کو چھوڑ دیا ہے، اس پر عمل نہیں کرتے، اس لئے خراب و پریشان ہیں، اور اس کا اعادہ بار بار کیا کہ حضرت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے جو قول اور فعل صادر ہوا، وہ متواتر ثابت ہے، فرمایا ایک مسلمان کے ایمان کی بنیاد صرف دو چیزوں پر ہے، جو خدا اور رسول نے فرمایا ہے اس کی متابعت کرے، اور جس سے منع کیا ہے، اس کو ترک کردے[2]،

تارک نماز کے متعلق مریدوں کو ہدایت دی کہ اگر وہ محفل میں آکر بیٹھے تو اس کی تعظیم نہ کریں، اور سلام کے جواب میں علیک نہ کہیں، تاکہ اس کی اہانت ہو اور وہ شرمائے[3]، نہ صرف نماز بلکہ نماز باجماعت کی بھی سخت تاکید فرماتے تھے، خود بھی تمام عمر نماز باجماعت کے پابند رہے، ایک مجلس میں یہ حکایت بیان کی، کہ ایک بزرگ بڑے اچھے واعظ تھے، ان کے وعظ سے لوگ بکثرت تائب ہوتے، اور کپڑے پھاڑ کر بیہوش ہوجاتے، وہ بزرگ زیارت کعبہ کو تشریف لے گئے، وہاں سے واپسی پر ان کا وعظ سننے کے لئے لوگ بڑے ذوق و شوق سے جمع ہوئے، لیکن اُن کے وعظ میں پہلی سی تاثیر مطلق نہ تھی، لوگوں نے اُن سے کہا کہ زیارت کعبہ کے بعد ہم تو متوقع تھے، کہ وعظ میں صدگونہ تاثیر اور بھی بڑھ گئی ہوگی، وہ بولے، سفر حج میں مجھ سے ایک قصور ہوگیا تھا، جب ہی جان لیا تھا، کہ مجھ سے یہ نعمت چھین لی جائے گی، وہ قصور یہ تھا، کہ راستے

[1] مجلس نود و نہم، [2] مجلس سی و نہم [3] مجلس ہشتاد و یکم، نیز دیکھو مجلس ہشتاد و ہشتم [4] مجلس پنجاہ و یکم،
[5] مجلس پنجاہ و نہم،

مین مجھ سے ایک بار نماز باجماعت فوت ہوگئی تھی، یہ محرومی اسی شامت کی بنا پر ہے، اس حکایت کو بیان کرکے حضرت چراغ دہلی اس قدر روئے کہ حاضرین بھی رونے لگے، اور جب آنسو رکے تو فرمایا کہ لوگ جماعت مین بالکل نہین جاتے، ان کا کیا حال ہوگا، وہ کتنی نعمتون سے محروم رہتے ہونگے، اور پھر ایک اور حکایت بیان کی کہ ایک بزرگ کے پاس لوگون کا ہجوم رہا کرتا تھا، بزرگ نے دل مین خیال کیا کہ خداوندا! مجھ مین نہ کچھ طاعت ہے، اور نہ عبادت ہی، پھر میرے پاس لوگون کا اژدحام کیون ہوتا ہے؟ آواز آئی کہ اس کا یہ سبب ہے کہ تو جماعت مین شریک ہونے کی کوشش کیا کرتا ہے، اور اس خیال سے پریشان رہتا ہے کہ مبادا فوت نہ ہوجائے، یہ بات ہم کو پسند آئی، اور اسی لئے تجھکو یہ مقبولیت عطا کی[1]

نماز کے متعلق فرمایا یہ حضور قلب کے ساتھ پڑھی جائے، نماز کے وقت اعضاء کا قبلہ کعبہ شریف ہوتا ہے، اگر اعضا اس طرف نہ ہون تو نماز درست نہین ہوتی، اس طرح دل کا قبلہ ذات پاک حق تعالیٰ ہے، اگر دل اپنے قبلہ سے پھر جائے تو پھر یہ کیسی نماز ہوگی،[2] (باقی)

---

[1] مجلس شتم، [2] مجلس ہشتاد وششم،

فیہ ما فیہ

ملفوظات مولانا روم جو ایک نایاب کتاب تھی، مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے مختلف نسخون سے مقابلہ کرکے اس کو مرتب کیا، اور معارف پریس اعظم گڈھ مین چھپوایا،

ضخامت :- صفحے، قیمت :- عار

تصوف اسلام جدید اڈیشن، قیمت عہ

"منیجر"

سنگِ شبام

یہود اور حمیر کی تاریخ کا ایک مشترکہ ورق

از

جناب مولانا ابو الجلال صاحب ندوی

کتب سابقہ ہنود، یہود، نصاریٰ، غرض کسی پرانی ملت کے مقدس نوشتون پر نظر ڈالو، تو ان مین برحق و دلکش باتون کے ساتھ کچھ ناپسندیدہ باتین بھی ملین گی، اس کی توجیہ قرآن مجید کے جو خدا نے بھیجے یہ کہکر فرمائی ہے کہ

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ	تم سے پہلے ہم نے جتنے بھی رسول یا نبی بھیجے،
وَلَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰىٓ اَلْقَى الشَّيْطٰنُ	اُن مین سے کسی نے جب بھی کوئی بات کہی
فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي	تو مخالف نے اس کی بات مین کچھ نہ کچھ ملا دیا،
الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ	اللہ اب مخالف کی ملاوٹ کو مٹاتا ہے، پھر
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝	اللہ اپنی آیتون کو بے آمیز کرتا ہے، اور
(حج)	اللہ دانا ہے دانشمند ہے،

توراۃ توراۃ کی موجودہ تالیف ایسی ہے کہ مدینہ کے یہود کی بابت خدا نے فرمایا:-

يَلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ	وہ کتاب کے ساتھ اپنی زبانین مروڑتے ہین،

مِنَ الْکِتَابِ وَمَا ھُوَ مِنَ الْکِتَابِ — تاکہ تم اسے بھی کتاب میں سے خیال کرو،
وَیَقُولُونَ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ وَمَا — حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے، اور
ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ وَیَقُولُونَ عَلَی — وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے،
اللّٰہِ الْکَذِبَ وَھُمْ یَعْلَمُونَ، — حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے اور
وہ اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹا الزام
(آل عمران) — لگاتے ہیں،

اس سے ظاہر ہے کہ اہل مدینہ توراۃ کے ایک حصہ کو ایک خاص لحن سے، اور دوسرے حصہ کو دوسرے لحن سے پڑھتے تھے، موجودہ توراۃ کو غور سے پڑھو تو زبان، گرامر، مضامین اور طرز ادا کے فرق اور تضاد سے پتہ چل جائے گا کہ کم از کم حضرت موسیٰ کی طرف منسوب کتابوں میں سے ہر ایک (الف، ب، جیم) میں مختلف مصنفوں کا مخلوط مجموعہ ہے، یورپین محققین اسے تسلیم کرتے ہیں میرے نزدیک ان میں سے ایک اصل کتاب اللہ ہے، اور دو مختلف روایات ہیں جن کو جامع نے آیات کے پس و پیش اور درمیان بطور تفسیر کے رکھا تھا، اہل مدینہ کتاب اللہ اور زوائد کے فرق کو جان کر کتاب اللہ کو ایک لہجہ سے اور زوائد کو دوسرے لہجہ سے پڑھتے تھے لیکن کبھی کبھی علما مطلب کے موافق زوائد کو بھی کتاب اللہ کے لہجے میں پڑھ کر عوام سے اپنی مرضی منوایا کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ یہ بھی کتاب اللہ میں سے ہے، اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں علماء یہود کی اسی روش سے لوگوں کو آگاہ کیا ہے، سورۂ حج کی آیت میں انھیں غلط باتوں کو خدا نے ما یلقی الشیطان کا لقب دیا ہے، اور توراۃ، انجیل اور زبور کی تمام بنیادی باتوں کو آمیزشوں سے پاک کرکے قرآن میں دہرا دیا ہے، اور بڑی حد تک ہم کو بائبل سے بے نیاز کر دیا ہے، چنانچہ خدا نے فرمایا ہے؛

رَسُولٌ مِنَ اللّٰہِ یَتْلُوا صُحُفًا مُطَهَّرَةً — اللہ کا ایک رسول پاکیزہ صحیفے سناتا ہے
فِیهَا کُتُبٌ قَیِّمَةٌ، (بینہ) — جن میں استوار کتابیں ہیں،

لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں، کہ قرآن مجید میں کتب سابقہ کی ساری ہی باتیں آگئیں، کیونکہ یہ بھی فرمایا ہے کہ

یَا أَهْلَ الْکِتَابِ قَدْ جَاءَکُمْ — اے اہل کتاب تمھارے پاس ہمارا رسول
رَسُولُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیرًا مِمَّا — پہنچا جو تم کو کھول کھول کر بہتری باتیں بتاتا
تُخْفُونَ مِنَ الْکِتَابِ وَیَعْفُوا عَنْ — ہے جن کو تم چھپاتے ہو، اور وہ تمھاری
کَثِیرٍ، — کتاب میں ہے اور بہت باتوں سے درگذر
(ع ۳۔ مائدہ ۵) — فرماتا ہے،

اس سے ظاہر ہے کہ توراۃ، زبور، اور انجیل میں چند ایسی باتیں بھی ہیں، جو برحق اور من جانب اللہ ہیں مگر قرآن میں نہیں دہرائی گئی ہیں، ایسی باتوں میں جو آمیزش کلام غیر کی پائی جاتی ہے، ان کا سراغ لگانا سخت مشکل ہے،

اس سلسلہ میں مجھے ایک قدیم دستاویز مل گئی ہے جس کے نام کو میں نے مضمون کا سرنامہ بنایا ہے، اس سے توراۃ کی ایک ایسی ہی بات کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے، لیکن اس دستاویز کے ذکر سے پہلے توراۃ کے نقشہ کو سمجھا دینا ضروری ہے،

زرائی قصہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے،

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِنْ جَاءَکُمْ — اے مسلمانو! اگر تمھارے پاس کوئی بدکر
فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَیَّنُوا أَنْ تُصِیبُوا — کوئی بری خبر لائے تو خوب پرکھ لیا کرو،
قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَی مَا — ایسا نہ ہو کہ تم نادانی میں کسی قوم پر
فَعَلْتُمْ نَادِمِینَ، — کوئی آفت ڈھادو۔ پھر اپنے کئے پر تم
(حجرات) — کو پشیمان ہونا پڑے،

اس آیت میں جو تعلیم دی گئی ہے، توراۃ میں اسی بات کی تعلیم یہ فرما کر دی گئی تھی کہ حضرت یعقوبؑ فدانِ ارم سے واپس آئے، تو "شلم عیر شکم" کے سامنے ایک کھیت میں انھون نے اپنا خیمہ نصب کیا،

"اور لیاہ کی بیٹی دینہ بنت یعقوب اس دیس کی لڑکیون کو دیکھنے کے لئے باہر نکلی، (۱) اور اس علاقہ کے رئیس حمور حوی کے فرزند شکم نے اس کو دیکھا، ×××× (۲) اور اس کا جی یعقوب کی بیٹی دینہ سے اٹک گیا، اور وہ اس سے محبت کرنے لگا، اور اس چھوکری کے دل کے اوپر بھی بولا (۳) اور یعقوب نے سنا کہ اس نے اس کی بیٹی دینہ کو بے حرمت کر دیا، مگر اُس کے فرزند اس کے جانورون کے ساتھ چراگاہ مین تھے، سو یعقوب اُن کے آنے تک خاموش رہا۔ (۵) اور یعقوب کے بیٹے خبر سنتے ہی لوٹے اور وہ مرد نہایت برہم اور پُر غضب تھے، کہ اُس نے بنت یعقوب کے ساتھ سو کر اسرائیل کے ساتھ حماقت کی، حالانکہ اُس نے ایسا نہین کیا تھا، (۷) اور تیسرے دن ×× شمعون و لاوی فرزندانِ یعقوب برادران دینہ نے اپنی تلوارین لین اور شہر پر آ پڑے ×× (۲۵) اور یعقوب نے شمعون اور لاوی سے کہا تم نے مجھے دکھ دیا ہے، اس سرزمین کے رہنے والون کنعانیون اور فرزیون کے درمیان مجھے گھنونا کر دیا ہے...... (۳۰) ب ۳۴ شمعون اور لاوی مین، تو (تمھارے) سگے بھائی تلوارین کی مکاریان اُن کے ظلم کے ہتھیار ہین، (۵) اے میری جان ان سے مجمع مین شامل نہ ہو، اے میرے دل اُن کے جتھے مین شریک نہ ہو، کیونکہ اپنے قہر مین انھون نے خون بہایا، آدمی کا، اور کونچین کاٹین سانڈ کی، (۶) لعنت ان کے غضب پر کہ تند تھا، اور اُن کے قہر پر کہ سخت تھا مین ان کو یعقوب کے درمیان پراگندہ اور اسرائیل کے درمیان تتر بتر کر دون گا (۷) ب ۴۹ تکوین،

ناظرین اگر اس عبارت کا توراۃ کے متداول ترجمہ سے مقابلہ کرین گے تو (۳) اور (۷) کے آخری فقرون کو مختلف پائین گے، چونکہ جامع توراۃ نے ان آیتون کے درمیان جابجا خلا مین پیدا کر کے دو

روایتون کے فقرون کو جن مین سے ایک سراپا غلط ہے نقل کیا تھا اور چونکہ متن اور تفسیر کے اس نشان فارق کو جس سے مدینہ کے یہود واقف تھے، اب معدوم کر دیا گیا ہے، اس لئے یہ فقرے سیاق اور سباق سے لڑ پڑے اور اصل متن اور تفسیر زائد کے تضاد کو (۳) و (۷) کے ترجمہ بدل کر رفع کیا گیا ہے، سفر تکوین کے جامع نے اصلی قصہ کے اہم ترین جزو کو اس جگہ سے ہٹا کر وصایاے یعقوب مین لکھا ہے جس کی وجہ سے وہ آیتین ہدایت قطعاً گم ہو گئی جو کلام کا مقصود تھی، اور مقصود کلام کو گم کرنے مین اس غلط خبر کی آمیزش نے جسے حضرت یعقوبؑ نے سُنا تھا، اور جسے وہ غلط باور کرتے تھے، اور بھی خدمت انجام دی ہے،

زوائد توراۃ | جامع تکوین نے ان آیتون کے آگے اور پیچھے اور بیچ مین جو باتین روایات کی مدد سے درج کی ہین، پہلے اُن کے صحیح حصہ کو پڑھئے،

"اور یعقوب فدانِ ارم سے چلا تو شلم عیر شکم" کے پاس آیا، اور شہر کے باہر اپنا خیمہ نصب کیا (۱۸) اور جس کھیت مین اس کا خیمہ تھا، اسے حمور ابی شکم کے فرزندون سے سو قسیطہ پر خریدا (۱۹) اور وہان ایک مذبح نصب کیا، اور اس کا نام رکھا، ال الوہی اسرائیل (۲۰)" ب ۳۳

"اور شکم نے اپنے باپ حمور سے کہا کہ اس لڑکی کو میری جورو کے طور پر حاصل کیجئے (۴) اور شکم کا باپ حمور یعقوب سے باتین کرنے کو روانہ ہوا، اور حمور نے کہا میرے بیٹے شکم کا دل تمھاری بیٹی سے اٹک گیا ہے، سو اُسے اس کے ساتھ بیاہ دو (۸) اور ہم سے سمدھیانہ کرو اور ہمین بیٹیان دو اور ہم سے بیٹیان لو، (۹) ہمارے ساتھ رہو سہو، یہ زمین تمھارے آگے ہے، اس مین بسو اور ملکیت حاصل کرو اور تجارت کرو (۱۰) پھر اس لڑکی کے باپ اور بھائیون سے شکم نے کہا کاش مین تم لوگون کا منظور نظر ہو جاؤن، جو کہو تم کو دون (۱۱) جتنا عطیہ اور مہر تم تمھاری مرضی کے مطابق حاضر کرون مگر لڑکی مجھے دیدو، (۱۲) یعقوب کے فرزندون نے شکم اور حمور کو ×× جواب دیا، ××× (۱۳) اور کہا ہم ایسا نہین کر سکتے، کہ اپنی بہن ایک نامختون کو دین

اس مین ہمارے لئے عار کی بات ہے، (۱۴) لیکن اس پر ہم تم سے راضی ہو جائین گے، اگر تم
ہم جیسے ہو جاؤ، کہ تم مین سے ہر شخص اپنا اپنا ختنہ کرائے (۱۵) ایسا کروگے تو ہم تم کو اپنی
بیٹیان دین گے، اور تم سے بیٹیان لین گے، اور تمھارے ساتھ رہین گے، اور ہم تم مل کر
ایک قوم بن جائین گے (۱۶) (باب ۳۴ تکوین)

غور کرو کتنا مربوط اور مسلسل کلام ہے، مگر یہ ارتباط (۵) اور (۶) کو حذف کرنے
سے پیدا ہوا ہے، چونکہ جامع تکوین نے (۷) کی مکذوب کہانی کو بطور تفسیر قبول کر لیا ہے، اسلئے (۱۳)
کے درمیان خلا پیدا کر کے ایسی تفسیر بڑھا دی ہے جس سے یہ وعدہ جھوٹا ہو گیا لیکن یہ وعدہ جھوٹا
نہ تھا، سچا وعدہ تھا،

حمور اور اس کے بیٹے سکم نے ان کی باتین پسند کین اور اس جوان نے اس بات کے
کرنے مین دیر نہ کی، کیونکہ وہ بنت یعقوب کا شیدا تھا، اور اپنے باپ کے گھرانے مین
سب سے عزت دار تھا، (۱۹) (باب ۳۴ تکوین)

سکم نے بخوشی ختنہ منظور کیا اور نہ صرف اسی نے بلکہ اس کے اور حمور کے سمجھانے سے
"جتنے لوگ اس کے شہر کے پھاٹک سے آمد و رفت رکھتے تھے، سب نے اپنا اپنا ختنہ
کرایا (۲۴) باب ۳۴ تکوین،

تیسرے زائد کا ناظرین کو اندازہ ہو چکا ہے، اس کے ذکر سے پہلے اشخاص کا تعارف کرا دینا ضروری ہے،

حمور حوری

حمور ابی شکم (حضرت دینہ کا خسر) جس شہر کا حاکم تھا، (۳۳: ۱۸) مین اس کا نام شلم
شہر سکم ہے، لفظی ترجمہ اس کا ہے، "سکم کا شہر شالم" یہ بادشاہ یا رئیس اسی طرح ملکی صدق ملک شالم
کا گدی نشین تھا، جیسے حضرت ابراہیمؑ نے وہ گدی دی تھی، جس طرح حضرت یعقوبؑ حضرت ابراہیمؑ کے
جانشین تھے، حضرت ابراہیم اپنے وقت کے نبی تھے (تکوین ۲۰: ۷) اور ملکی صدق خداوند تعالیٰ کے

کاہن تھے (تکوین ۱۴: ۱۸) کاہن کے لئے اگرچہ نبی ہونا ضروری نہین لیکن بائبل کی اصطلاح مین کاہن خود
شارع نہونے کے باوجود شارع سے کچھ ہی فروتر ہوتا ہے، کاہن نبی نہ ہونے کے باوجود رب الافواج کا رسول
ہوتا ہے، لوگون پر لازم ہے کہ کاہن کے منہ سے خداوند تعالیٰ کی شریعت تلاش کرین کاہن کا فرض تھا
کہ اپنے ہونٹھون مین شریعت کو محفوظ رکھے، (ملاکی ۲: ۷) جس معنے مین حضرت موسیٰ نبی تھے، اور جس معنی مین
حضرت ہارون کاہن تھے، یعنی شریعت موسیٰ کو اپنے ہونٹھون مین محفوظ رکھتے تھے، اور لوگ ان کے منہ سے
شریعت ڈھونڈتے تھے، اسی معنی مین جناب ملکی صدق شریعت ابراہیم کے شارح اور محافظ تھے، حمور ابی شکم
کا یہ عہدہ تو نہ تھا، پھر بھی وہ ملکی صدق کے شہر کا فرمانروا اور ان کا سیاسی جانشین تھا،
حمور ابی شکم کو تکوین ۳۴: ۲ مین حوی رئیس بتایا گیا ہے، اسی طرح ۳۶: ۲ مین صبعون حوری کو
بھی حوی لکھا گیا ہے، حمور ابی شکم بھی حوری تھا، اور اس لئے وہ حضرت یعقوبؑ کی بھاوج اہلیبامہ
اور الیفز بن عیسو کی بی بی تمنع کا قریبی رشتہ دار تھا، خاندان یعقوب کا وہ اب سے پہلے ہم قوم بن چکا
تھا، صرف ختنہ کی کسر رہ گئی تھی،

اس قوم کا مورث اعلیٰ حور تھا، جس کو اہل مصر ایک دیوتا قرار دے کر پوجتے تھے، یہ دیوتا مصری
افسانہ کے مطابق پونت سے آیا تھا، پونت مصری تحریرون کے مطابق ملک سبا یعنی جنوبی عرب کا نام
تھا، جہان کے باشندے خود کو عموماً حمیر بن سبا کی اولاد بتاتے ہین،

حور برادر حمیر

عربون کی روایت کے مطابق حمیر بن سبا کا ایک بھائی ایک زمانہ مین ملک مصر کا فرمانروا
تھا، عربون کے اس برادر حمیر کو ہم مصری تحریر کے اس دیوتا حور کی نسل سے تطبیق دیکھتے ہین جس نے پونت
(توبانی نوط) سے آکر دیوتا ست کو شکست دی تھی اور ملک مصر پر قبضہ کر لیا تھا، حور کوئی فرضی وجود نہین
تھا، بلکہ جس طرح اہل مصر نے ہر فرعون کو رب اعلیٰ قرار دے رکھا تھا اسی طرح نبو خور نے بھی جن کو نبو نوط بھی
کہا جا سکتا ہے، اپنے ایک مورث کو دیوتاؤن مین شامل کر لیا تھا، پہلا انسان فرعون بنا نبو حود

مین سے تھا، احمد بک کمال نے اپنی کتاب الحضارۃ القدیمہ مین بہت سے حورسی بادشاہون کے علم کی شکلین دی
ہین، جن مین سے ایک کی صورت یون ہے کہ ایک چوکھٹے کے اندر ہیروغلافی حروف مین سے خم اب لکھا ہوا ہے
اور چوکھٹے کے اوپر باز کی شکل ہے، جسے حور پڑھا جاتا ہے، چوکھٹا اس بات کی علامت ہے کہ وہ شخص اپنے وقت
مین بادشاہ اور فرمانروا تھا، احمد بک کمال نے اس بادشاہ کا نام الملک سند الکھا ہے، سندا اس کا غیر سرکاری
نام تھا، لیکن سرکاری نام اس کا حور خم اب تھا،

حمیر یا حمور — عبرانی شین دوسری سامی زبانون مین سین سے بدل جاتی ہے، اور کاف کا عبرانی تلفظ غیر مشدد ہونے کی صورت مین خ جیسا ہوتا ہے،

اب حور خم اب اور حمورابی شکم حورسی کے ساتھ ساتھ بابل کے بادشاہ حمورابی فرزند سن مولبیت فرزند
عامل سن کے نامون کا مقابلہ حمیر ابو وائل کے نام سے کرو تم کو صریحاً ان نامون مین اتحاد خاندان کا سراغ
ملے گا، اس کے ساتھ عربون کے اس قصہ پر بھی نظر رکھو کہ

سبا اکبر نے بابل کو فتح کرنے کے بعد مصر کو فتح کیا، اور وہان کا حاکم اپنے بیٹے بابلیون کو
مقرر کیا، سبا کے مرنے کے بعد حمیر بادشاہ ہوا جس نے بابلیون کی درخواست پر شام کو بھی فتح کر کے
وہان والون کو اپنا باج گذار بنایا، اور اہلِ مصر کو بابلیون کی اطاعت پر مجبور کر دیا، اس کے
مرنے کے بعد یمن مین وائل بن حمیر بادشاہ ہوا، اور بابل پر حسان بن حراشس بن عمیل نے
قبضہ کر لیا، (تیجان ملخصاً)

اس بیان کا حاصل طرزِ بیان کے فرق کو حذف کرنے کے بعد یہی ہوا کہ باشندگان یمن کے ایک گروہ نے
مصر پر حکومت کی یہ گروہ حمیر کا ہم خاندان تھا، اس گروہ کو ہم حور خم اب اور اس کے خاندان سے تطبیق دے سکتے ہین،
ایک گروہ نے جو حمیر ہی کا ایک حصہ تھا، شام پر حکومت کی، اسے ہم حمورابی سکم حورسی کا خاندان قرار دے سکتے ہین، حمیر
ابو وائل وہ گروہ ہے جو یمن ہی مین رہ گیا، وائل بن حمیر کے معاصر حسان کا دادا عمیل بن عابر قطعاً تاریخ بابل

کا عامل سن ہے، اور حسان (بڑا اچھا آدمی) حمورابی کا نام تھا، اس نام کا ترجمہ یہ ہے کہ حمور میرا باپ ہے مین
حمور کی نسل سے ہون،

حمیر اور حمور دونون ہم مادہ اور ہم معنی الفاظ ہین، دونون کے معنی ہین سرخ، حمورابی سکم حورسی کے خاندان
بن حضرت عیسو بن اسحاق جا بسے تو ادوم (سرخ) کہلائے، قوط سے مصر مین بسنے والے حرشسو (اتباع حور)
کی بابت احمد بک کمال نے لکھا ہے کہ ان لوگون کا رنگ سرخ تھا، اس خاندان کو اپنے رنگ پر بہت ناز تھا،
اس رنگ کے نام کو خوبصورت کا مرادف بنا لیا گیا تھا،

مذہب حمور — حمورابی سکم حورسی کے خاندان کا وہ حصہ جو مصر پر حکومت کرتا تھا حضرت ابراہیمؑ سے پہلے بحیثیت حکمران
گروہ کے ختم ہو چکا تھا، لیکن ملک شام مین اس خاندان کی آبادیان تھین اور ہر شہر بجائے خود ایک سلطنت تھا،
جن دنون حضرت ابراہیمؑ اس دیار مین آئے، کدر لاعمر وغیرہ بادشاہون نے حوریون کو اُن کے کوہ شعیر
سے اہلِ فاران تک جو بیابان کے کنارے ہے مارا" (تکوین باب ۱۴) اس جنگ مین نو حور کے ساتھ حضرت لوطؑ
بھی شریک تھے جن کو دشمنون نے گرفتار کر لیا تھا، اس کی خبر حضرت ابراہیمؑ کو دی گئی تو وہ بھی شریک جنگ
ہو گئے، اور دشمنون کو شکست فاش دیکر اور تمام اسیرون کو رہائی دلا کر واپس لوٹے (تکوین باب ۱۴)
نو حور کے ساتھ دو دو پیغمبرون کا اُن کی طرف سے شریک جنگ ہونا اور نو حور مین سے ایک کا حضرت
ابراہیم کی نظر مین محترم ہونا، اور ان مین حضرت یعقوبؑ کے بھائی بھتیجون کا بطور جزو قوم کے مدغم ہو جانا اس
بات کا ثبوت ہے خاندان حمورابی سکم اور خاندان یعقوب مین پہلے سے مذہبی یگانگت تھی، صرف مختون اور
نامختون ہونے کا فرق رہ گیا تھا، نو حور حضرت ابراہیمؑ کے ہم قسم بھی تھے (تکوین باب ۱۴) اس بنا پر ہم کو باور
کرنا چاہئے کہ (تکوین ۳۴:۷) کا فقرہ جس خبر کی تردید کرتا تھا، یقیناً غلط تھی اور یقیناً اس خبر کی تغلیط کے بعد حسب دعدہ
برادران یوسف نے اپنی بہن کو سکم بن حمور کے ساتھ بیاہ دیا،

نو سکم — اس واقعہ کے کچھ عرصہ کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام بطور غلام کے مصر مین بکتے ہین، ایک شخص

اُن کو خرید تا ہے، جس کا قرآنی لقب العزیز ہے، توراۃ مین اس کا نام فوطیفر ہے (تکوین ۳۹: ۱) کچھ دنون کے بعد حضرت یوسف خود العزیز ہو جاتے ہین، اور ان کی شادی فوطی فرع کی بیٹی سے ہو جاتی ہے (تکوین ۴۱: ۴۵) ان کے خریدار اور خسر کے نامون مین صرف ع کا فرق ہے، بہتون کی رائے ہے کہ پہلے موقع پر

منشی نوکہ نوع را بطرز نو نوشت مین خطا کرد

فوطی فرع کے معنی ہین نسل فوطا (پونت) کا فرعون، یہ شخص اپنے زمانہ کا بہادر شاہ تھا، اور وہ شخص جس کا ذکر قرآن مین ملک مصر کی حیثیت سے آیا ہے، گویا لارڈ کلایو تھا، فوطی خاندان یا بالفاظ دگر حور نخم اب کے گھرانے والون کا آفتاب اقبال ڈوب چکا تھا، وہان اب نہ کوئی حور حکومت کرتا تھا نہ حور نہ ابو نکم حضرت یوسف کے عزیز مصر ہونیکے بعد خاندان نبو اسرائیل سارے کا سارا مصر چلا گیا، حضرت یعقوب کے ساتھ جانے والون مین حضرت دینہ بنت یعقوب بھی تھین جن کے بطن سے پیدا ہونے والون کا نام نبو سکم تھا،

حضرت یوسف ؑ مصر کے بارہوین خانوادہ کے معاصر تھے، حضرت موسیٰ اٹھارہوین خانوادہ کے، اور تیرہوان اور چودہوان خانوادہ درحقیقت ہمعصر اور ایک دوسرے کو نبرد آزما نوا بو کے گھرانے تھے، جو معاصر تھے پندرہوین اور سولہوین خانوادہ کے جن کو ہکسوس کہا جاتا ہے، سترہوان خانوادہ نام ہے اٹھارہوین ہی خانوادہ کے اس دور کا جب وہ سولہوین خانوادہ یعنی پندرہوین خانوادہ کے دور آخر سے لڑ رہا تھا، حضرت یوسف کے بعد ملک مصر چھوٹی چھوٹی کئی ریاستون مین منقسم ہو گیا اُس دور مین مصر کے اندر جن لوگون نے حکومت کی ان مین سے چند کے نام احمد بک کمال کی کتاب حضارۃ القدمیہ سے ہم یہان نقل کرتے ہین،

خانوادہ نمبر ۱۳	بادشاہ نمبر ۱	نخم کاری،
خانوادہ نمبر ۱۳	” ۱۶	نخم خوتاویری سبک چتپ نمبر ۳
” ” نمبر ۴	” ۲۱	نخم ونہ تویری

خانوادہ نمبر ۱۳	بادشاہ نمبر ۳۲	مرنخم ری ان ری،
”	” ۸۱	سنخم ... ری
” نمبر ۱۴	” ۲۱	سنخم ری
”	” ۳۱	سنخم ری
”	” ۳۲	سنخم ری
”	” ۳۸	سنخم حمہیری

یہ نام بتاتے ہین کہ حور نخم اب یا حمور ابی نخم حوری کی نسل پھر مصر مین برسر اقتدار آئی، بنی اسرائیل کے مصر سے خروج کے بعد پھر کسی نخم ری کا مصر مین سراغ نہین ملتا، لیکن ارض موعود مین بنی اسرائیل کے ساتھ جن لوگون کو حصہ ملتا ہے، ان مین بنی سکم بھی نظر آتے ہین،

منسی بن یوسف کے پہلوٹے مکیر کو چونکہ وہ جنگی مرد تھا، جلعاد اور بسن ملے، باقی نبو منسی کو بھی ان کے گھرانے کے مطابق حصہ ملا، یوسف کے بیٹے منسی کے فرزند نرینہ یہ ہین: بنی ابیعزر، بنی خلق، بنی اسری ایل، بنی سکم، بنی حفر، اور بنی سمدع، (یوشع ۱۹: ۲)

سفر یوشع کے جامع نے نبو سکم کو بنی منسی کے ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے نبو منسی مین گنا ہے، ممکن ہے کہ ان دنون نبو شکم کے ایک ایک فرد کا مادری نسب منسی بن یوسف تک منتہی ہو گیا ہو، لیکن یہ لوگ شکم بن حمور اور دینہ بنت یعقوب کی اولاد سے تھے، چنانچہ سفر قضاۃ مین ہے کہ ابی ملک بن یربعل جدعون ابی عزری کے جیب کر وہ بادشاہ ہوا، نبو شکم کا گورنر ایک شخص زبول کو مقرر کیا اُس پر جعل بن عبد نے کہا،

”کیا چیز ہے شکم اور کیا چیز ہے ابی ملک، ہم اس کی بندگی کیون کرین، کیا وہ یربعل کا بیٹا نہین ہے، کیا زبول اس کا منصبدار نہین ہے، تم لوگ حمور ابی سکم کے آدمیون کی بندگی کرو (قضاۃ ۹: ۲۸)

اس سے ثابت ہے کہ خود بنو سکم اپنے آپ کو بنو منسی نہیں بلکہ بنو حمور ابی سکم کہتے تھے، جعل بن عبد کے بھڑکانے سے بنو سکم نے بغاوت کر دی، جعل بن عبد نے ابی ملک کو چیلنج دیا، کہ اپنی فوجین کثیر کر اور لڑنے کو آ (قاضیون ۹: ۲۹) چنانچہ جنگ ہوئی، نتیجہ یہ ہوا کہ جعل بن عبد نے شکست کھائی، اور راہ فرار اختیار کی، (قاضیون ۹: ۲۹) ابی ملک نے شہر کو ڈھا کے خاک سیاہ کر دیا (۹: ۴۵) سکم کے برج میں جتنے لوگ تھے جل مرے، (۹: ۴۹) اس واقعہ کے بعد سے بنو سکم پھر بنو اسرائیل کے ساتھ نظر نہین آتے،

یہ واقعہ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ سے تقریبًا ۱۵۰ برس پہلے کا ہے، اسی زمانہ میں بنو شکم کی اصل نسل کی بابت بنو اسرائیل کے تعصب نے (تکوین ۳۴: ۷) کی مکذوب خبر کو از سر نو شہرت دی، اور وہ خبر یہ تھی، کہ شکم اور دینہ کا ایک دوسرے سے جائز تعلق نہین تھا، شکم کے ساتھ دینہ کی شادی نہین ہوئی تھی، بلکہ واقعہ یہ تھا کہ شکم نے دینہ کو دیکھا تھا،

دیقح اوتاہ، ویشکب اوتاہ اور اسے لیا، اور اس کے ساتھ سویا، اور اس

دیعنہ. پر جبر کیا، (۳۴-۲)

نکاح کی بات چیت جو ہوئی تھی، اور شرط ختنہ کے ساتھ فرزندانِ یعقوب نے جو وعدہ کیا تھا، وہ ان کا فریب تھا، (۳۴: ۱۳) اس فریب مین آکر سارے اہلِ شہر نے اپنا اپنا ختنہ کرایا، تیسرے دن جب سب مرد مبتلائے درد تھے، شمعون اور لاوی نے شکم اور حمور اور سارے مردون کو قتل کر دیا، دینہ کو اور خاندان حمور کی عورتون اور بچون کو لوٹ لائے، اس پر حضرت یعقوبؑ نے اظہار ناراضی کیا، تو انھون نے حضرت یعقوبؑ کو یہ کہکر قائل کیا، کیا اسے مناسب تھا کہ ہماری بہن کے ساتھ بازاری عورت کا سا برتاؤ کرتا، (تکوین ۳۴: ۲۵ تا ۳۱ ملخصًا) جامع تکوین نے اس چھوٹے قصہ کو بھی بطور تفسیر آیتون کے درمیان لکھ لیا، جہان تک دو آدمیون کے شہر بھر کو قتل کر دینے کی خبر کا تعلق ہے، اس ناممکن کو یون ممکن بنایا گیا، کہ اس قصہ کو واقعہ ختنہ کے بعد رکھا گیا لیکن سوال یہ ہے کہ عورتین اور بچے کیون نہ ان دو مردون پر

ٹوٹ پڑے، علاوہ برین یہ بیان حضرت یعقوبؑ کے اس الہامی قول کے خلاف ہے کہ

ہر جو ایش خون کیا ایک آدمی کا

وعقر و شور کونچین کاٹین (ایک) بیل کی،

اگر ایک سے زیادہ بیل اور آدمی کا انھون نے خون کیا ہوتا، تو اس میں ایش اور شور کی بجائے "انشیم" اور "شوریم" ہوتا،

(۳۴: ۲) کا فقرہ ویعنہ (اسے ستایا، اس پہ جبر کیا،) (۳۴: ۳) کے اس فقرے کے خلاف ہے کہ

و یدبر علٰ لب ھنعرا

اور بولا اوپر دل چھوکری (کے)

ان دونون فقرون کے تضاد کو تبدیل ترجمہ کے زور سے دفع کیا گیا ہے، اردو اور انگریزی ترجمون پر بحث کی چندان ضرورت نہین، (۳۴: ۳) کے فقرے کا عربی بائبل مین ترجمہ کیا گیا ہے، "لاطفہا" یعنی اسکے ساتھ مہربانی کی، حالانکہ اس کا لغوی ترجمہ یہ ہو سکتا تھا،

وتکلم علی قلب الفتاۃ

بامحاورہ قرآنی الفاظ مین اس کا ترجمہ کیا جا سکتا تھا،

و قد شغفھا حُبًّا،

(اس عورت کے شغاف دل مین اس کی محبت بس گئی،)

اس کے ترجمہ مین تحریف تو کی ہی گئی (۳۴: ۲) کے آخری فقرہ کی بھی ترجمہ مین اصلاح کی گئی، ویعنہ کا صحیح ترجمہ ہے اُسے دکھ دیا، یا اس پر جبر کیا، لیکن اس کا ترجمہ عربی مین (اذلہا) اور اردو مین (بے حرمت کیا اسے) کیا گیا ہے،

(۳۴: ۲) کا پورا مضمون ۳۴: ۷ کے اسی فقرہ کا ضد ہے، کہ

و   کین   لا   یعشہ

اور   ایسا   نہین   کیا اُس نے

عشہ (کیا اُس نے) یعشہ (کرتا ہے وہ) واؤ عطف نے مضارع کو ماضی بنادیا، عربی ترجمہ اس کا یہ کیا گیا ہے

و   ھکذا   لا   یصنع

اور   ایسا   نہین   کیا جاتا

اگر مرادیہی ہوتی تو یعشہ کی جگہ نعشہ ہوتا، ان آیتون مین تضاد کے پائے جانے سے یہ فیصلہ کرنا چاہئے تھا، کہ قصہ کا نامناسب جزاصل کے برخلاف جھوٹی روایتون کا اضافہ ہے، لیکن چونکہ اس زمانہ قبیح کی بابت بھی مترجمین کا یہ عقیدہ ہے کہ

ھو من عند اللہ،   وہ اللہ کی طرف سے ہے،

اس نے بزور ترجمہ دونون کے تضاد کو رفع کردیا گیا لیکن اس کے باوجود کوئی مفسر توراۃ یہ نہین بتاتا، کہ اگر شمعون اور لاوی نے اس جرم کی پاداش مین جو سکم سے سرزد ہوا تھا،

ہرجوا ایش   ایک آدمی کا خون کیا،

دعقروشور   اور ایک بیل کو کاٹ دیا،

تو کون سا اخلاقی جرم کیا جس کی بناپر حضرت یعقوب کی زبان وحی ترجمان ان دونون پر اتنا برہم ہوئی، کہ اُن کے قہر پر لعنت کی اور لوگون کو ان کے جتھے مین شرکت سے منع کیا، اور دونون کی نسل کو ہمیشہ بنی یعقوب مین بکھیرے رکھنے کی پیشین گوئی کی کہ یہ لوگ کبھی ایک مضبوط جتھا بن کر اپنی جداگانہ ہستی قائم نہ رکھ سکین گے،

اس اضافہ کے غلط ہونے کا یہ نہایت واضح ثبوت ہے،   (باقی)

یحیی بن آدم اوران کی کتاب الخراج

از

جناب مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین

خراج اسلامی حکومت کی آمدنی کا ایک شعبہ ہے، اس کا قیام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی مین ہوچکا تھا، حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مین اس مین کوئی خاص تغیر نہین ہوا، حضرت عمرؓ نے البتہ حکومت کے دوسرے شعبون کی طرح اس کو ایک حد تک منظم کیا، اور اس کے انتظام مین بہت سے تغیرات کئے، اس کے بعد برابر اس شعبہ مین اصلاح و ترقی ہوتی رہی، لیکن ڈیڑھ صدی تک اس کا کوئی مکمل تحریری دستور مرتب نہین ہوا، ۱۷۰ھ مین جب ہارون خلیفہ ہوا، تو اس نے اس کام کی طرف توجہ کی، اور قاضی ابویوسف سے اس موضوع پر ایک خاص کتاب لکھنے کی درخواست کی، انھون نے اس مبارک کام کو اپنے ذمہ لیا، اور کتاب الخراج کے نام سے ایک کتاب لکھ کر ہارون کے سامنے پیش کی، کتاب کے نام سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ کتاب صرف خراج یعنی اسلامی زرعی ٹیکس سے متعلق ہوگی، لیکن ایسا نہین ہے بلکہ یہ کتاب اسلامی حکومت کی مالی آمدنی کا ایک مکمل دستور ہے،

امام ابویوسف ہی کے زمانہ یا اس کے قریب قریب اس موضوع پر متعدد کتابین لکھی گئین، جن مین یحیی بن آدم کی کتاب الخراج اور ابوعبید کی کتاب الاموال زیادہ مشہور ہین،

اول الذکر یعنی امام ابویوسف اور ان کی کتاب سے ہر خاص و عام واقف ہے، لیکن ثانی الذکر مصنفین کی شخصیت اور ان کے کارنامون سے کم لوگ واقف ہین، اس لئے اس مضمون مین انھی

~~دونون امامون کے سوانح حیات اور ان کے علمی کارنامون کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے،~~

یحییٰ بن آدم یحییٰ نام، ابو زکریا کنیت، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے یحییٰ بن آدم[1] بن سلیمان الاموی[2] یحییٰ کے دادا سلیمان کا کوئی تذکرہ رجال کی کتابون مین نہین ملتا، ان کے والد آدم البتہ حدیث کے ثقہ راویون مین ہین، ابن سعد اور تہذیب[3] مین ان کا تذکرہ موجود ہے، صحیح مسلم مین وکیع کی سند سے اُن کی ایک روایت بھی موجود ہے،

سنہ ولادت اہلِ تذکرہ نے یحییٰ کے سنِ ولادت کی کوئی تصریح نہیں کی ہے، لیکن بعض قوی قرائن سے معلوم ہوتا ہے، کہ ۱۳۰ھ یا اس کے کچھ قبل یا بعد ان کی ولادت ہوئی، وہ قرائن یہ ہین،

۱- تمام اہلِ تذکرہ متفق ہین، کہ ان کی وفات ۲۰۳ھ مین ہوئی،

۲- اُن کے قدیم شیوخ مین مسعر بن کدام متوفی ۱۵۵ھ یا ۱۵۳ھ اور فطر بن خلیفہ متوفی ۱۵۵ھ ہین، اس حساب سے ان کے اور یحییٰ کے سنہ وفات مین تقریباً ۵۰ برس کا فرق ہے،

۳- یہ بھی معلوم ہے کہ اس وقت تک بالکل چھوٹے بچّون کو سماع حدیث (حدیث سنانے) کا دستور نہین شروع ہوا تھا، بلکہ جب وہ سنِ شعور کو پہنچ جاتے تب شیوخ انھین اپنے حلقۂ درس مین

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۷۵، امام نووی نے آدم اور سلیمان کے درمیان علی کے نام کا اضافہ کیا ہے، جو عام تذکرون کے بیان کے خلاف ہے [2] اموی نسبت ولائی ہے نسبی نہین یعنی ان کے والد آدم خالد بن خالد اموی کے غلام تھے، اس وقت یہ عام دستور تھا کہ غلام اپنے آقا کی نسبت کے ساتھ منسوب ہوتے تھے، اس طرح یحییٰ بھی غلامان اسلام کی فہرست مین داخل ہین لیکن خود خالد اور ان کے باپ اور دادا کے متعلق اہل تذکرہ خاموش ہین۔ خالد کا جد اعلیٰ عقبہ بن معیط جو رسول اللہ ﷺ کی دشمنی مین مشہور تھا، بدر کے روز گرفتار ہوا اور قتل کیا گیا، البتہ اس کے لڑکے ولید نے فتح مکہ کے روز اسلام قبول کیا۔ خالد کا مختصر تذکرہ ابن سعد نے کیا ہے (ج ۶ ص ۲۲۳)

[3] تہذیب جلد اول ص ۱۹۶،

تھے، اس لئے ظاہر ہے کہ مسعر بن کدام (م ۱۵۵ھ یا ۱۵۳ھ) وغیرہ سے سماع کے وقت کم از کم اُن کی عمر ۱۵ برس کی رہی ہوگی،

اس اعتبار سے اگر مسعر بن کدام کی وفات کا ۱۵۳ھ قرار دیا جائے تو وفات کے وقت یحییٰ کی عمر ۶۵ سال اور اگر ۱۵۳ھ قرار دیا جائے تو ۶۳ برس کی تھی، اس لئے ظاہر ہے کہ انکا سنہ ولادت ۱۳۸ھ یا ۱۴۰ھ قرار دینا پڑے گا، واللہ اعلم بالصواب،

تعلیم و تربیت تذکرون سے یہ پتہ نہین چلتا کہ اُن کی تعلیم و تربیت کہان اور کس کی نگرانی مین ہوئی، اور انھون نے کیا کیا علوم حاصل کئے لیکن اُن کے شیوخ کی فہرست اور ان کی کتاب کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھون نے خالص دینی علوم کی طرف اپنی توجہ مبذول رکھی تھی، اور اس کے حصول کے لئے تقریباً تمام علمی مراکز مثلاً مکہ، مدینہ، کوفہ، حمص وغیرہ مین پہنچے، اور خصوصیت سے قرآن، حدیث اور کسی حد تک فقہ مین بھی دسترس بہم پہنچائی،

اُن کے شیوخ کی فہرست مین حمزہ بن حبیب الزیات بھی ہین، جو علم قرأت کے امام ہین، ان کے تلمذ کی وجہ سے قیاس ہوتا ہے، کہ شاید انھون نے علم قرأت مین بھی کچھ دستگاہ بہم پہنچائی ہو،

شیوخ کی فہرست اُن کے شیوخ کے جو نام مل سکے ہین، اُن کی تعداد ۹۰ ہے جن مین ۳۳ سے انھون نے کتاب الخراج مین اور باقی، اسے دوسری کتابون مین روایت کی ہے، ان کے نام ذیل مین درج کئے جاتے ہین،

ابراہیم بن حمید بن عبدالرحمٰن الرؤاسی - ابراہیم بن حمید الزبرقانی التیمی، ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی، اسرائیل بن یونس بن ابی اسحاق السبیعی، اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم بن علیہ، اسماعیل بن عیاش بن سلم العنسی الحمصی - ابوالیاس (عبدالملک بن جویہ)، ایوب بن جابر بن سیار الحنفی الیمامی - ابوبکر بن عیاش بن سالم الاسدی، ابوبکر بن النہشلی الکوفی، جریر بن عبدالحمید الضبی، جعفر بن زیاد الاحمر،

حاتم بن اسماعیل المدنی الحارثی - حبان بن علی العنزی الکوفی - حسن بن ثابت الثعلبی الاحول - الحسن ابن صالح بن صالح بن حی ابو عبد اللہ الثوری الکوفی - الحسن بن عیاش بن سالم الاسدی الکوفی، حسین بن زید بن علی بن الحسین - حفص بن غیاث بن طلق القاضی - حماد بن زید بن درہم - حماد بن سلمہ ابن دینار ابو سلمہ - حمید بن عبد الرحمن بن حمید الرواسی - زہیر بن معاویہ الجعفی الکوفی - زیاد بن عبد اللہ بن الطفیل البکائی، سعید بن سالم بن ابی الہیفاء - سعد بن عبد الجبار الزبیدی الحمصی، سفیان بن سعید بن مسروق الثوری الامام - سفیان بن عیینہ بن ابی عمران الہلالی - سلام بن سلیم ابو الاحوص الحنفی الکوفی - سنان بن ہارون البرجمی - شریک بن عبد اللہ بن ابی شریک القاضی النخعی - الصلت بن عبد الرحمن الزبیدی، عباد بن العوام بن عمر، عبثر بن القاسم الزبیدی ابو زبید، عبد اللہ بن ادریس بن یزید الاودی - عبد اللہ بن المبارک، عبد ربہ بن نافع الکنانی ابو شہاب الحناط الاصغر - عبد الرحمن بن حمید بن عبد الرحمن الرؤاسی - عبد الرحمن بن ابی الزناد - عبد الرحمن القاری عبد الرحیم بن سلیمان المروزی الاشل - عبد السلام بن حرب بن سلم الکوفی - عبد الملک بن جبیۃ ابو ایاس - عبدۃ بن سلیمان الکلابی - عبید اللہ بن عبید الرحمن الاشجعی - عتاب بن بشیر الجزری - عثمان بن مقسم البری - علی بن ہاشم بن البرید - عمار بن رزیق الضبی ابو الاحوص الکوفی - عمر بن ہارون الخراسانی البلخی - عمرو بن ثابت بن ہرمز بن ابی المقدام، فضیل بن عیاض بن مسعود بن بشر التمیمی - قران بن تمام الاسدی الوالبی - قیس بن الربیع الاسدی، مبارک بن فضالہ - محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی صاحب ابی حنیفہ - محمد بن خازم التمیمی ابو معاویۃ الضریر - محمد بن طلحہ بن مصرف الیامی - محمد بن فضیل بن غزوان الضبی - مسعود بن سعد الجعفی الکوفی مفضل بن صدقہ الکوفی ابو حماد الحنفی مفضل بن مہلہل السعدی ابو عبد الرحمن - مندل بن علی العنزی الکوفی ہشیم بن بشیر بن القاسم السلمی ابو معاویہ - ابن واقد المدنی - ورقاء بن عمر بن کلیب الیشکری

ابن مبارک کے شیخ ہیں - وضاح بن عبد اللہ الیشکری ابو عوانہ - وکیع بن الجراح بن ملیح الرواسی، وہیب بن خالد بن عجلان الباہلی - یحیی بن زکریا بن ابی زائدہ - یزید بن ابراہیم التستری ابو سعید - یزید ابن عبد العزیز بن سیاہ الاسدی الحمانی - یونس بن یزید بن ابی النجاد الایلی -

یہ ان شیوخ کی فہرست تھی - جن سے انھوں نے کتاب الخراج میں روایت کی ہے، کتاب الخراج کے علاوہ جن شیوخ سے روایت کی ہے، ان کے نام یہ ہیں -

ابراہیم بن سعد بن ابراہیم الزہری - بشر بن السری ابو عمرو الافوہ - جریر بن حازم بن عبد اللہ الازدی - حسین بن علی بن الولید الجعفی - حمزہ بن حبیب الزیات - سعید بن سالم القداح ابو عثمان المکی - عبد اللہ بن عثمان البصری - عبد العزیز بن سیاہ الاسدی الحمانی - عیسی بن طہمان - فضیل بن مرزوق الاغر - فطر بن خلیفہ المخزومی الحناط - قطبہ بن عبد العزیز بن سیاہ - مالک بن مغول بن عاصم البجلی - محمد بن اسماعیل بن رجاء الزبیدی الکوفی - مسعر بن الکدام بن ظہیر العامری - موسی بن قیس الحضرمی الفراء عصفور الجنۃ - یونس بن ابی اسحاق السبیعی -

ان شیوخ میں بعض ایسے لوگوں کے نام بھی ہیں - جو اُن کے اصحاب واحباب میں شمار ہوتے ہیں، مثلاً حسن بن صالح جن سے انھوں نے تقریباً پچاس سے زاید جگہ روایت کی ہے، لیکن ابن حزم نے ان کو یحیی کے اصحاب میں شمار کیا ہے،

محدثین کے دستور کے مطابق انھوں نے اپنے ہمعصروں اور چھوٹوں[1] سے بھی روایتیں کی ہیں - اور بعض جگہ تو باپ اور بیٹے دونوں سے روایت کرتے ہیں - مثلاً عبد الرحمن بن حمید الرواسی سے بھی روایت کی ہے اور ان کے لڑکے حمید سے بھی اُسی طرح عبد العزیز بن سیارہ اور ان کے دونوں لڑکے یزید اور قطبہ سے روایتیں کی ہیں،

---

[1] محدثین کو اگر اپنے اصاغر سے بھی روایتیں مل جاتی تھیں - تو وہ روایت کر لیتے تھے،

تلامذہ یحییٰ کی روایات اور اُن کے تلامذہ کی کثرت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا حلقۂ درس وسیع رہا ہوگا، لیکن اہلِ تذکرہ میں سے کسی نے بھی اُن کے درس و تدریس کے متعلق کوئی تصریح نہیں کی ہے، ان کے تلامذہ کی فہرست میں بعض بڑے بڑے ائمۂ حدیث مثلاً اسحاق بن راہویہ، یحییٰ بن معین بھی شامل ہیں، تلامذہ کی فہرست بہت لمبی ہے، ان میں سے چند نام درج کئے جاتے ہیں۔ جن سے صحاح میں روایت موجود ہے،

احمد بن ابی رجا عبد اللہ الہروی۔ احمد بن سلیمان الرہاوی۔ احمد بن عمر الواقدی۔ احمد بن محمد بن حنبل۔ اسحاق بن ابراہیم البخاری۔ اسحاق بن راہویہ مشہور امام حدیث۔ بشر بن خالد العسکری، الحسن ابن علی بن عفان العامری۔ الحسن بن علی الخلال حافظ حدیث۔ الحسین بن علی بن الاسود العجلی۔ حفص بن عمر المہرقانی یہ ابو حاتم اور ابو زرعہ کے شیخ ہیں۔ سفیان بن وکیع بن الجراح۔ عباس بن حسین القنطری، ابو بکر عبد اللہ بن ابی شیبہ، عبد اللہ بن محمد المسندی عبد الاعلیٰ بن واصل الاسدی۔ عبد الرحمن بن صالح الازدی عبد بن حمید۔ عبدہ بن عبد اللہ الخزاعی الصفار۔ عبید بن یعیش المحاملی، عثمان بن ابی شیبہ۔ عصمۃ بن الفضل النیشاپوری۔ علی بن عبد اللہ بن المدینی۔ علی بن محمد الطنافسی۔ محمد بن اسمٰعیل ابو بکر بن علیہ۔ محمد بن عبد اللہ بن المبارک المخرمی۔ محمد بن رافع النیشاپوری۔ ابو کریب محمد بن العلاء الہمدانی محمد بن عمر بن الولید الکندی، محمد بن الولید بن ابی ولید ثقفی، محمود بن غیلان المروزی، موسیٰ بن حزام مشہور فقیہ تھے، موسیٰ بن عبد الرحمن المسروقی۔ ہارون بن عبد اللہ الحمال حافظ حدیث تھے۔ واصل بن عبد الاعلیٰ ابن ہلال الاسدی۔ یحییٰ بن معین۔ جرح و تعدیل کے امام تھے،

دربار سے بے تعلقی یحییٰ نے تقریباً ۶ خلفاء منصور، ہادی۔ مہدی۔ ہارون، امین، مامون کا زمانہ پایا، لیکن ان میں سے کسی خلیفہ کے دربار سے انھوں نے اپنا تعلق قائم نہیں کیا۔ اور نہ حکومت کا کوئی عہدہ قبول کیا۔

علم و فضل علم و فضل کے لحاظ سے یحییٰ ممتاز حیثیت رکھتے تھے، امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو طبقہ سابعہ میں شمار کیا ہے، جس میں امام شافعی، عبد الرحمن بن مہدی، ابو داؤد طیالسی وغیرہ ہیں۔

امام ذہبی نے علی بن المدینی سے جو ائمۂ حدیث میں سے ہیں۔ روایت کی ہے، کہ حدیث کی سند کا مدار زیادہ تر چھ آدمیوں پر ہے، اہلِ مدینہ میں ابن شہاب زہری۔ اہلِ مکہ سے عمرو بن دینار۔ اہلِ بصرہ میں قتادہ اور یحییٰ بن ابی کثیر اہلِ کوفہ میں ابو اسحاق اور اعمش، پھر ان چھ کا علم ان بارہ آدمیوں میں پھیلا، اہلِ مدینہ میں امام مالک اور ابن اسحاق اور اہلِ مکہ میں ابن جریج اور ابن عیینہ اور اہلِ بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ و حماد بن سلمہ و ابو عوانہ و شعبہ و معمر اور اہلِ کوفہ میں سفیان ثوری اور اہلِ شام میں امام اوزاعی اور واسط میں ہشیم پھر ان ائمہ کا علم تین آدمیوں یحییٰ القطان، یحییٰ بن زکریا۔ اور وکیع بن جراح میں سمٹ آیا، اور پھر ان تینوں سے یہ امانت عبد اللہ بن مبارک، عبد الرحمن بن مہدی اور یحییٰ بن آدم کی طرف منتقل ہوئی،[1]

یعقوب بن شیبہ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ، کثیر الحدیث اور بہت بڑے فقیہ تھے، حالانکہ ان کا سن بہت زیادہ نہیں تھا، علی بن المدینی فرمایا کرتے تھے، کہ ان کے پاس علم تھا، ابو اسامہ فرماتے ہیں، کہ میں جب یحییٰ بن آدم کو دیکھتا ہوں تو امام شعبی یاد آجاتے ہیں، یعنی وہ امام شعبی کی طرح جامع العلوم تھے، ابن سعد، یحییٰ بن معین، ابو حاتم، ابن حبان وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے، یحییٰ بن ابی شیبہ کے الفاظ یہ ہیں کہ ثقہ، صدوق، ثبت، حجۃ،[2] یحییٰ قابلِ اعتماد اور حجۃ تھے، ان کے علم و فضل کے متعلق ان ائمہ کی رائے سب سے بڑی سند ہے،

مسلک ان کے زمانہ تک تحزب اور عامیانہ تقلید کا دور شروع نہیں ہوا تھا، اور نہ اس وقت محدثین اور فقہاء اپنے لئے اس لقب کو پسند کرتے تھے، بلکہ علماء قرآن اور حدیث و آثار کی روشنی میں اپنی بصیرت کے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اص ۳۳۰ [2] ایضاً ص ۳۳۰، تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۷۵،

مطابق فتوی دیتے تھے، اگر کسی مسئلہ میں وہ خود رائے قائم نہیں کر پاتے تھے، تو ائمہ میں سے جن کی رائے انھیں پسند ہوتی اس کو اختیار کر لیتے تھے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس زمانہ میں تشنگان علم بغیر کسی عصبیت و تحزب و تعصب کے مختلف شیوخ سے سماع حدیث، مختلف الخیال فقہا کی خدمت میں جا کر تحصیل فقہ کرتے تھے، اس لئے انھیں کورانہ تقلید و تنگ نظری پیدا نہیں ہونے پاتی تھی، امام محمد حدیث میں امام مالک کے شاگرد تھے، اسد بن فرات اور امام شافعی نے امام محمد سے فقہ کی تحصیل کی تھی۔ خود امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے درمیان علمی مذاکرے ہوتے رہتے تھے، امام احمد بن حنبل امام ابو یوسف کے شاگرد تھے، ایسی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں،

یحیی بن آدم نے بھی مختلف الخیال محدثین اور فقہاء سے تحصیل علم کی تھی، ایک طرف وہ امام محمد سے روایت کرتے ہیں، دوسری طرف حسن بن صالح سے جن کو امام محمد سے شدید اختلاف تھا، خاص تلامذہ میں تھے، شاید یہی وجہ تھی کہ وہ کسی خاص امام کے مسلک کے پابند نہیں ہو سکے، اور نہ انھوں نے اپنی کتاب کو کسی خاص مسلک تک محدود رکھا۔ ان کے مسلک کے متعلق یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ ان کا تعلق محدثین کی جماعت سے تھا۔ چنانچہ کتاب میں جہاں جہاں عندنا یا عند اصحابنا یا جماعۃ من اصحابنا وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، اس سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ مسائل میں ان کا نقطۂ نظر محدثانہ تھا،

---

[1] اس وقت تک دو مسلک حنفی اور مالکی رواج پا چکے تھے، یحیی اپنی کتاب میں دونوں میں سے ہر ایک کی کسی جگہ موافقت اور کسی جگہ مخالفت کرتے ہیں ص ۱۷، ص ۱۴۵، اور ص ۱۷۰ میں اس کی تصریح موجود ہے

تاریخ فقہ اسلامی

مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس میں ہر دور کی فقہ اور فقہاء پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہے جس سے جدید فقہ کی ترتیب میں مدد مل سکتی ہے، قیمت: ۔ ہے

"منیجر"

ادبیات

عید قربان

از جناب سید محمود حسن قیصر امروہوی

اے مسلمان! ہو مبارک عید قربانی تجھے ۔۔۔ یہ نشاط روح یہ تقریب ایمانی تجھے

نذر ہو تیری قبول بارگاہ کردگار ۔۔۔ جادۂ حق و صداقت پر رہے تو استوار

اور کہ تو ہے منزل عزم و عمل سے دور تر

عید قربان کے معانی سے نہیں تو بہرہ ور

تو سمجھتا ہے کہ چہرہ کی بشاشت عید ہے ۔۔۔ پان کی لالی میں ہونٹوں کی طراوت عید ہے

عید کو سمجھا ہے تو ملبوس دیبا و حریر ۔۔۔ عید ہے تیری نظر میں ایک جشن دلپذیر

مانگ چوٹی، عطر، غازہ، طرۂ تاج و کلاہ ۔۔۔ عید قربان کا یہی مقصد ہو کیا اے کم نگاہ

کیا مذاق نغمہ و مے، لطف صحبت عید ہے؟ ۔۔۔ مہوشوں کی بزم میں حرف و حکایت عید ہے؟

التفات بت بہ طرز محرمانہ عید ہے ۔۔۔ عشوہ و انداز و ناز دلبرانہ عید ہے؟

تو سمجھتا ہے شکوہ بادشاہی عید ہے ۔۔۔ طنطنہ، نخوت، تبختر، کج کلاہی عید ہے؟

بندہ خوئی، تمکنت، عجب و تفاخر، برتری ۔۔۔ سچ بتا! کیا عید ہے مرد مسلمان کی یہی

عید اک انعام ایزد ہے مجاہد کے لئے!

بندگی حق کا اک تمغہ ہے عابد کے لئے!

بندۂ زر کے لئے توقیر و خلعت عید ہے — مردِ حق کو غازۂ خونِ شہادت عید ہے

مژدۂ نصرت، نوید کامرانی عید ہے — جرأتِ حق، عزم و ہمت کی جوانی عید ہے

آ دکھاتا ہوں تجھے اہلِ وفا کا حوصلا!

ہے منیٰ میں آج جشنِ عید قربانی بپا!

آرہا ہے سر جھکائے ایک مردِ حق نیوش — رہبرِ عزم و طلب، غازی مجاہد سرفروش

شاد و خرم، مطمئن، بشاش، خنداں، سرخرو — موجزن رُخ پر نشاطِ کامرانی کا لہو

سرو قامت، نرم سیر، آہستہ رو، فرخندہ گام — پاک طینت پاک باطن، پاک دل، نیکو مرام

رُخ پہ گردِ راہِ منزل غازۂ روئے حیات — ماتھے پر قطرے عرق کے آبروئے کائنات

ہر صرِ باطل میں وہ ایمان کا تابندہ چراغ — شرک کی محراب میں اخلاص کا روشن ایاغ

پیاس سے سوکھے ہوئے لب ذکرِ حق سے تر زبان — قوت کونین بازو میں بظاہر ناتوان

حرفِ شکرِ حق زبان پر، ہاتھ میں تیغ و رسن — قلزمِ اخلاص کا سینہ میں طوفاں موجزن

مرضیِ مولا کو تاجِ مکرمت سمجھے ہوئے — حکم ذبحِ لختِ دل کو مرحمت سمجھے ہوئے

ضبط کے ہاتھوں پہ ہمت نے شکن آنے نہ دی — بے تامل پھیر دی بیٹے کی گردن پر چھری

رہ گئے ششدر، ملک، تھرا اٹھے ارض و سما — غش ہوئے لوح و قلم، ہلنے لگا عرشِ خدا

ساحتِ تقدیس میں گونجی صدائے آفریں

جھک گئی عزمِ خلیلی پر دو عالم کی جبیں

غزل

جناب شفیق صدیقی جونپوری

وہ سعیِ ضبط کبھی، آہ ناتمام کبھی — خدا دکھائے نہ دشمن کو بھی وہ شام کبھی

رواں دواں ہے شب و روز قافلہ اپنا — ہوا نہ فیصلۂ منزل و مقام کبھی

چمن کے پھولوں میں بھی اب نہیں وہ رنگینی — تھے آشیانے کے تنکے بھی لالہ فام کبھی

یہ کہہ کے آخری محفل میں رو دیا ساقی — کہ پی لو آج سے ہوگا نہ دورِ جام کبھی

انہی کے ساتھ گئی ان کے شہر کی رونق — گلی گلی تھی معطر کُنِ مشام کبھی

طوافِ خیمۂ محبوب کو زمانہ ہوا — وہ بھولتی نہیں وادی کی صبح و شام کبھی

ہزار بار گئی تا درِ حبیب صبا — نہ لے گئی دلِ بیمار کا پیام کبھی

مہک رہے ہیں ابھی تک مری در و دیوار — بکھر گیا تھا وہ گیسوئے مشک فام کبھی

عجب طویل کہانی ہے اے مرے قاصد — کہ ساری عمر لکھوں خط نہ ہو تمام کبھی

نسیمِ صبح ہمارا سلام کہہ دینا — اگر ملے وہ نگارِ چمن مقام کبھی

کبھی کبھی وہ جگہ یاد آہی جاتی ہے — جہاں ہوئی تھی مرے قافلے کی شام کبھی

ہم اجنبی نہیں اے ساکنانِ کوچۂ دوست — اسی گلی میں ہمارا بھی تھا قیام کبھی

سلام رہ گذرِ شوق کی ہواؤں کو — اسی طرف سے گیا تھا وہ خوش خرام کبھی

نہ میرے خانۂ ویراں میں چاندنی آئی — نہ بن سکا کوئی جگنو چراغِ شام کبھی

خوشی گلے سے لگانے کو بار بار آئی — گیا نہ دل سے ترے غم کا احترام کبھی

شفیق سے بھی ہیں یارانِ میکدہ واقف

یہ پاکباز ہوا تھا شریکِ جام کبھی

باب التقریظ والانتقاد

ترجمان السنۃ

"از مولانا بدر عالم صاحب، تقطیع بڑی ضخامت ۵۹۲ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد بارہ روپے، غیر مجلد دس روپے، پتہ: ندوۃ المصنفین دہلی،

ندوۃ المصنفین دہلی بہت دنون سے اسلامی لٹریچر کی قابلِ قدر خدمت انجام دے رہا ہے حال مین ایک تازہ کتاب ترجمان السنۃ، شائع ہوئی ہے، اس کے مؤلف استاذ الحدیث مولانا محمد بدر عالم صاحب ہین، انھون نے موجودہ زمانہ کی ضروریات کو ملحوظ رکھتے ہوئے، احادیث کی نئی تبویب فرمائی ہے، خدا ان کو جزاے خیر دے، اور دوسرے اہلِ علم کو ان کی تقلید کی توفیق عطا فرمائے، مصنف نے پیش لفظ مین نئی تبویب کی ضرورت بتاتے ہوئے ٹھیک فرمایا ہے کہ

"اگر امام بخاری اس زمانہ مین ہوتے، تو اپنی مجتہدانہ شان، دقت رسی، دقیقہ سنجی، اور امت کی ضرورتون کے متعلق صحیح نبض شناسی اور درد مندی کی وجہ سے اپنے بابون ترجمون اور عنوانون کا رُخ جہمیت واعتزال کی تردید کے بجائے یقیناً انھی مسائل کی طرف پھیر دیتے، جو ہمارے وقت کے الجھے ہوئے مسائل کہلاتے ہین،" (ص ۱۱)

یہ بالکل صحیح ہے کہ زمانہ کی ضروریات کے پیشِ نظر فقہ وحدیث کی نئی تبویب نہایت ضروری ہے، اسلام ہماری تمام مشکلات کو حل کر سکتا ہے، اور کوئی الجھا ہوا مسئلہ ایسا نہین ہے جس کے سلجھانے

سے احادیث شریفہ عاجز ہون ضرورت ہے کہ عہد حاضر کے مسائل اور شریعت دونون سے یکسان واقفیت رکھنے والے اصحاب صرف مسلمانون ہی کے مفاد کے لئے نہین بلکہ تمام عالم کی بھلائی کے لئے احادیث وفقہ کی از سرِ نو ترتیب وتبویب مین فاضل مصنف کا ہاتھ بٹائین، یہ کام ایسا نہین ہے جس کو تنہا ایک شخص انجام دے سکے،

فاضل مؤلف نے پیش لفظ مین اعتراف کیا ہے کہ انھون نے احادیث کے قبول کرنے مین نہ اتنی وسعت اختیار کی ہے کہ احادیث موضوعہ تک اس مین شامل ہو جائین، نہ اتنی شدت برتی ہے کہ احادیث کا ذخیرہ تلاش کرنا مشکل ہو جائے، جن احادیث کو کسی معتمد محدث نے صحیح یا حسن قرار دیا ہے، ان کو قبول کیا ہے،

مؤلف کا یہ اصول درست ہے اور اس کی معقولیت پر انھون نے جو دلیلین دی ہین، وہ بجا ہین، لیکن یہ زمانہ شکوک اور شبہات کا ہے، اس لئے ہم کو قبولِ احادیث مین متشککین کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے، جو احادیث صحیحین سے ماخوذ ہین، ان کا حوالہ کافی ہے لیکن ترمذی کی حدیثون کے ساتھ (رواہ الترمذی) لکھنا کافی نہین ہے، بلکہ ان پر امام ترمذی نے جو حکم لگایا ہے، وہ بھی نقل کرنا چاہیے تھا، اور کتابون کی احادیث کے متعلق یہ بتانے کی ضرورت نہین ہے، کہ اس کے حسن یا صحیح ہونے پر کس امام نے نص فرمائی ہے، امید ہے کہ آیندہ اشاعت کے وقت فاضل مصنف اس کو ملحوظ رکھین گے، چونکہ معذرت مین مؤلف نے عجلت کا ذکر کیا ہے، اس لئے یہ کوتاہی سرِ دست قابلِ درگذر ہے،

صفحہ ۱۲ سے ۲۷ تک مؤلف نے حدیث افتراق امت کی اسناد اور اس حدیث کی صحت کے معنوی قرائن پر نظر ڈالی ہے، اس باب مین جو کچھ لکھا ہے، وہ قابلِ قدر ہے، اس سلسلہ مین ص ۳۰ پر ابو واقد لیثی کی ایک حدیث کا ترجمہ دیا ہے، اس مین غالباً طباعت کی غلطی سے حدیبیہ کی جگہ خیبر چھپ گیا ہے، چونکہ مؤلف نے حدیث کا حوالہ اس جگہ نہین دیا ہے، اس لئے ہم تحقیق نہ کر سکے، کہ یہ غلطی طباعت کی ہے، یا کسی روایت ہی مین حدیبیہ کے بجائے خیبر ہے، اگر اصل روایت مین خیبر ہے، تب بھی حاشیہ مین اصلاح ضروری تھی کیونکہ جس درخت کا ذکر ہے، وہ ذات انواط کہلاتا تھا، اور مکہ اور

حدیبیہ کے درمیان واقع تھا، نہ کہ مدینہ اور خیبر کے درمیان،

ص ۴۳ سے ۷۶ تک مصنف نے لفظ اختلاف کی توضیح فرمائی ہے، پھر ص ۸۰ تک فرقہائے مختلفہ کی تعیین کی سرخی کے ماتحت یہ بتایا ہے کہ ان فرقوں کی کسی حدیث میں تعیین نہیں کی گئی ہے، صفحہ ۹۰ سے ۹۱ تک فرقہ ناجیہ کی تعیین فرمائی ہے، لیکن ان باتوں کا ذکر مقدمہ کے بجائے، وہاں ہونا چاہئے تھا، جہاں اصل مجموعہ میں یہ حدیث ہے، ص ۹۲ سے ص ۲۰۹ تک حجیت حدیث پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے، جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، یہ تبصرہ اُن کے لئے یقیناً مفید ہے، اور ان متشککین کے خیالات کی اصلاح کے لئے کافی ہے، جن بعض منکرین حدیث کی تحریروں نے اثر ڈالا ہے لیکن ہمارے خیال میں حجیت حدیث کے منکروں کو سمجھانے کے لئے اس تصور کے ساتھ بحث کا آغاز نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ یہ ایک اندرونی فتنہ ہے، جو ہمارے افراد کے دلوں سے ابھرا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یورپ کے بعض اہل قلم نے ہمارے قدیم علمائے جرح و تعدیل کی شدید نکتہ چینیوں سے غلط فائدہ اٹھا کر سرے سے مسلمانوں کی تمام روایات کو "خود مسلمانوں کے اعتراف" کی سند سے ناقابل تسلیم قرار دیا، ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کا اصول روایت اور خبروں کے قبول و رد کے اصول کو ایک سائنس کی صورت میں پیش کیا جائے، اور یورپ اور دیگر اقوام کی تاریخیں جس پایہ کی خبروں سے مرتب کی گئی ہیں، ان سے مقابلہ کرکے دکھایا جائے کہ احادیث مقبولہ کی صحت کا جو معیار ہے، وہ تو الگ ہے، جن احادیث کو منکر اور بے اصل کہا جاتا ہے، اُن کے معیار پر بھی اگر غیر اقوام کی تاریخ کے مسلمات کو تولا جائے، تو اُن کا ایک بڑا حصہ کالعدم ہو جائے گا، ان میں بہت کم تاریخی واقعات ایسے ملیں گے جن کی سند مسلسل ثقہ راویوں تک پہنچائی جا سکے مثلاً یہ بات تو اسلامی معیار پر ثابت ہو سکتی ہے کہ سکندر نے ہندوستان پر حملہ کیا، کیونکہ وہ متواتر خبر ہے، باقی اس کی تفصیلات مجہول راویوں کے بیانات ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول قرار پائیں گی، ہماری احادیث کی حجیت کو مسترد کرنے کے بعد اقوام عالم کو اپنا تمام سرمایۂ سلف مسترد کر دینا ہوگا، حجیت حدیث کے خلاف اور جتنی باتیں کہی جاتی ہیں، وہ سب تطویل کلام ہیں، اصل حقیقت

یہ ہے کہ منکرین حدیث ان علمائے مغرب سے متاثر ہیں، جو نامعلوم ماضی کے نامعلوم نقاشوں کے کندہ کئے ہوئے کتبات اور افسانوں کو سلجھا کر ان کے اندر سے برآمد کئے ہوئے معلومات سے تو ماضی بعید کی تاریخی صداقتیں پیش کرتے ہیں، مگر اُن کے نزدیک مسلمانوں کی روایت محض روایت ہے،

صفحہ ۱۹۳ سے صفحہ ۲۱۰ تک اسلام میں تنقید و تبصرہ کی توضیح ہے، اس باب میں مصنف نے جو کچھ لکھا ہے وہ قابل تحسین ہے لیکن کاش مؤلف نے حجیت حدیث اور خبر واحد پر جتنا وقت صرف کیا ہے، اتنا ہی نقد و تبصرہ پر بھی صرف کرتے، اسی چیز کو زیادہ پھیلا کر بیان کرنے کی ضرورت تھی، خبروں کے رد و قبول کا جو آئین قرآن و حدیث اور عقل و استدلال سے مسلمانوں نے مرتب کیا ہے، اس کو نئے پیرایہ میں پیش کرنا ضروری تھا، اس سے ہماری روایات کا درجہ اعتماد لوگوں کو معلوم ہوتا، روایات اور بیانات کے قبول و رد کا اسلامی آئین ہم بالکل بھول گئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جو شخص جتنا زیادہ ستھرا جھوٹ بول سکتا اور اسے شہرت دے سکتا ہے اسی قدر زیادہ کامیابی کے ساتھ قوم کی قوم کو اپنی راہ پر لگا دیتا ہے، علمائے اسلام کا اقوام عالم پر یہ بڑا احسان ہوگا، اگر وہ اپنی اس میراث کو صرف اپنی ملک قرار دینے کی بجائے وقف عام کر دیں، اور خبروں کے قبول و رد کے آئین کو معقول دلیلوں سے مزین کرکے دنیا کے سامنے پیش کر دیں،

ص ۲۱۹ سے ۲۷۲ تک فقہائے اربعہ اور کچھ محدثین کے تذکرے ہیں، اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے، سب سے پہلے کتاب التوحید کے ماتحت ۲۰ حدیثیں نقل کی گئی ہیں، اور ہر حدیث کا اردو ترجمہ بھی ہے حاشیہ پر متعدد حدیثوں کے اہم نکات کی تشریح کی گئی ہے، اس کے بعد ایمان بالرسول سے متعلق احادیث ہیں (ص ۲۷۹) کتاب الایمان میں اگر آمنت باللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ کی ترتیب ملحوظ رکھی جاتی تو زیادہ بہتر ہوتا، خاتم النبیین کے ذکر سے پہلے اور انبیاء کا مختصر ذکر مناسب تھا، موجودہ زمانوں کی بحثوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ختم نبوت پر دلالت کرنے والی حدیثوں پر مؤلف نے خاص توجہ دی ہے، اور حواشی میں مقدور بھر اختصار کے ساتھ اُن کی عمدہ شرح کی ہے،

اس باب کی حدیث نمبر ۵۰ کے نیچے عربی مین جو تبصرہ ہے، اس کا ترجمہ اردو مین ہونا چاہئے تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس تبصرہ کا اضافہ مؤلف نے عین طباعت کے وقت کیا ہے، اس بحث مین ترمذی والی حدیث تو میرے نزدیک صحیح ہے، یہ واقعہ ہے کہ بعض عرب بعض رسول بن جاسکتا ہے، اگر بیہقی والی حدیث کی صحت پر مجھے شک ہے، لیکن یہ صرف میری اپنی راے ہے،

حدیث نمبر ۴۰ کے ترجمۃ الباب کے مفہوم سے تو نہین مگر لفظ "ارتکاب العاصی لاینافی محبۃ اللہ و رسولہ" سے اختلاف کی گنجایش ہے، شروع شروع مین جب شراب حرام ہوئی تھی، تو شراب کے پرانے عادی بھولے سے شراب پی لیتے تھے، پھر خود ہی اپنے کو سزا کے لئے پیش کرتے تھے، ان کا نسیان "لمم" کی قسم مین داخل تھا نہ کہ عصیان اور نافرمانی کی قسم مین، اس کے باوجود مصنف کو اپنی راے کی آزادی کا حق ہے،

ختم نبوت کی حدیث کے بعد مؤلف نے (صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی التوراۃ) کے ماتحت چند حدیثین نقل کی ہین، ظاہر ہے کہ اس قسم کی حدیثون کے صحیح مخاطب اہل کتاب ہین، ہم مسلمانون کا ایمان بالنبی الامی توراۃ اور انجیل کی بشارتون پر مبنی نہین ہے، بلکہ کتب سابقہ اور انبیاے سلف پر ہم جو ایمان رکھتے ہین وہ آخری کتاب اور آخری رسول پر ایمان کا نتیجہ ہے، مؤلف کو چونکہ ضروریاتِ زمانہ کا احساس ہے اسلئے ہم کو توقع تھی کہ حاشیہ مین ان احادیث کی تصدیق بائبل سے دکھائی ہوگی، لیکن حاشیہ اتنا تشفی بخش نہین ہوسکتا، کہ ایک غیر مسلم اُن احادیث کی صداقت کا قائل ہوسکے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص اور کعب حبر کے اقوال جن سے ان ابواب کا آغاز کیا گیا ہے، بائبل کے کسی ایک صحیفہ مین کہین نہین ملین گے، ان اقوال مین متعدد صحیفون کے مجموعی مضمون کا خلاصہ مذکور ہے، ایسی حدیثین جن کا مقصد حجیت حدیث کے منکرون کو قائل بھی کرنا ہے، اگر کسی کتاب مین لکھی جائین تو اُن کے مطابق واقعہ ہونے کا ثبوت بھی دینا چاہئے،

اس کتاب کی تبویب، ترجمہ، اور تشریح مین مؤلف نے کافی محنت، دماغ سوزی اور خلوص سے

کام لیا ہے، مین نے جو چند مشورے دیے ہین، اُن سے کتاب کی خوبی پر کوئی اثر نہین پڑتا، مسلمانون کے لئے اس کا مطالعہ نہایت مفید ہے،

ا-ج

مراۃ الشعراء

مرتبہ جناب مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا تقطیع بڑی ضخامت ۵۰۰ صفحے، کاغذ سپید کتابت وطباعت معمولی قیمت مجلد دس روپے، پتہ شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور،

مصنف اردو زبان کے پرانے اور مشہور خدمت گذار ہین، نثر اردو کی تاریخ پر سیر المصنفین ان کی معروف ومقبول تالیف ہے، اب انھون نے مراۃ الشعراء کے نام سے، اردو شاعرون کا تذکرہ مرتب کیا ہے، اردو مین تذکرون کی کمی نہین ہے، پرانے تذکرون کو چھوڑ کر آب حیات، گل رعنا، شعر الہند، تاریخ ادب اردو سکینہ، اور خمخانہ جاوید جدید دور کے مشہور تذکرے ہین، حیدرآباد مین دکنی شعراء کے مستقل تذکرے لکھے گئے ہین، اُن کے علاوہ درسی ضرورت کے لئے اردو نظم و نثر کی متعدد مختصر کتابین لکھی گئی ہین، اس طرح اردو شاعری پر معلومات کا کافی وافر ذخیرہ فراہم ہوگیا ہے، تاہم اس موضوع پر تلاش وتحقیق کا سلسلہ برابر جاری ہے، اور ہر تذکرہ نگار کا ذوق اور نقطۂ نظر جدا ہوتا ہے، اس لئے اس موضوع پر لکھنے کی گنجایش باقی ہے، مصنف کی تحریر کے مطابق اُن کے تذکرہ کی خصوصیات یہ ہین،

"اس مین بہت سے ایسے شعراء کا اضافہ ہے، جو تذکرون مین جگہ پانے کے لائق تھے، لیکن گذشتہ تذکرہ نگارون نے کسی سبب سے ان کو نظر انداز کردیا، شاعرون کے حالات مختصر بیان کئے گئے ہین، لیکن انکے کلام پر کافی بحث ہے، اور اُن کی خوبیان اور برائیان من وعن ظاہر کی ہین، اور ان کا پورا کلام پڑھنے کے بعد ان کے بہترین شعر آخر مین درج کئے ہین اور زمانہ کے لحاظ سے بھی گذشتہ تذکرون کی ترتیب سے فرق ہوگیا ہے"

"تذکرہ کے شروع مین اردو زبان کی مختصر تاریخ اور اردو شاعری کے اصناف پر نقد وتبصرہ ہے،

اس کے بعد اصل تذکرہ شروع ہوتا ہے، جو ولی دکھنی سے شیفتہ تک چھ دورون، اور ہر دور دو طبقون اول و دوم مین تقسیم ہے، ہر دور کے شعراء کے مختصر حالات اُن کے کلام کی خصوصیات اور اُن کے محاسن و معائب پر تبصرہ اور اشعار کا انتخاب ہے، ہر دور کی شاعری کی خصوصیات بھی تحریر کی گئی ہین، جس سے اردو شاعری کے عہد بعہد کے تغیرات و خصوصیات اور ترقی کی تاریخ سامنے آجاتی ہے، اردو زبان کی تاریخ کے سلسلہ مین مصنف نے کوئی نئی بات نہین پیش کی ہے، بلکہ ان تمام معلومات کو جو اب تک حاصل ہو چکے ہین، سلیقہ کے ساتھ مرتب کر دیا ہے، شعراء کے کلام کی خصوصیات اور تنقید مین اپنے ذوق سے بھی کام لیا ہے، اور گذشتہ تذکرہ نگارون کی رایون سے بھی استفادہ کیا ہے، اردو شاعری کی تنقید مین اس کے وہ نقائص جو مولانا حالی نے مقدمہ مین لکھے ہین، یا نئے طبقہ کی جانب سے اس پر جو عام اعتراض کئے جاتے ہین، انہی کو خفیف ردّ و بدل کے ساتھ دہرا دیا ہے، "مثلاً اردو شعراء کے دل قوم کے درد سے اور اسلامی اخوت سے خالی تھے، انھون نے قوم کو زندگی کا کوئی پیام نہین دیا، اردو شاعری محض فارسی کی نقالی ہے، بے مقصد ہے، ولی اور اُن کے متبعین نے رنگین طبیعتون کو بوالہوسی کا پیغام دیا، جس کی بنا پر محمد شاہ اور پوری قوم عیش پرستی مین مبتلا ہو گئی، اور تغزل اور قصیدہ نگاری نے ارکانِ حکومت کو فکر سلطنت سے آزاد کر دیا، اور تمام قوم مین تغزل سرایت کر دیا، شاعری کو سوسائٹی کا تابع نہ ہونا چاہئے، بلکہ اسکی اصلاح کرنی چاہئے، مسلمانون کی تباہی کا سبب غزل سرائی ہے اس لئے غزل کو ترک کر دینا چاہئے، اور معنوی اصلاح کے ساتھ قصیدہ اور مثنوی کو ترقی دینا چاہئے، اور خیالات مین مغربی شاعری کی تقلید کرنی چاہئے" (ملخصاً)

اور اعتراضات بھی اسی قبیل کے ہین، یہ اعتراضات صحت سے خالی نہین ہین، لیکن ان مین خلط بحث زیادہ ہے، اس مین کوئی شبہہ نہین کہ پرانی اردو شاعری مین بعض نقائص ہین، جن کا مصلحین ادب کو عرصہ سے احساس ہے، اور اب ان کی اصلاح بھی شروع ہو گئی ہے، اور اس کی خامیان دور ہو چکی ہین اور

ابھی بعض نقائص باقی ہین جن کی اصلاح خود حالات کر رہے ہین، لیکن مصنف کا یہ خیال صحیح نہین ہے کہ "ولی اور ان کے تبعین کے پیام بوالہوسی سے محمد شاہ اور پوری قوم عیش پرستی مین مبتلا ہو گئی اور تغزل اور قصیدہ نگاری نے ارکان حکومت کو فکر سلطنت سے آزاد کر دیا، اور مسلمانون کی تباہی کا سبب غزل سرائی ہے"؛ درحقیقت تغزل یعنی عاشقانہ جذبات سے دنیا کی کسی قوم اور کسی زبان کی شاعری خالی نہین بلکہ یہانتک کہا جاسکتا ہے کہ اسی جذبہ نے شاعری کو پیدا کیا، یا کم از کم اس کو ترقی دی، یہ اور بات ہے کہ مختلف زبانون کی شاعری مین اس کے اظہار کے طریقے مختلف ہون، ولی اور اُن کے تبعین کے پیام بوالہوسی اور قصیدہ و غزل کے اثر سے محمد شاہ اور مسلمان قوم عیش پرستی مین مبتلا نہین ہوئی، بلکہ اس سے بہت پہلے مبتلا ہو چکی تھی، تغزل اور قصیدہ نگاری سے نہ ارکانِ حکومت فکر سلطنت سے آزاد ہوتے ہین، اور نہ کوئی قوم عیش پرستی مین مبتلا ہوتی ہے، اس کا سبب غفلت و جمود بے عملی اور دوسرے طبعی اسباب ہوتے ہین، مصنف کا یہ نظریہ تو تاریخی واقعات کے سراسر خلاف ہے، یہ مصنف کو تسلیم ہے کہ اردو شاعری تمامتر فارسی شاعری کی نقل ہے، اس لئے یہی اثرات فارسی شاعری اور تغزل کے بھی ہونے چاہئین، حالانکہ عربی اور فارسی دونون زبانون کی شاعری کی اصلی ترقی کا زمانہ جو زیادہ تر قصیدہ اور غزل و نسیب پر مشتمل ہے، وہی ہے، جو اسلامی حکومتون کے عروج کا ہے، بلکہ مسلمان حکمرانون ہی کی قدردانی سے شاعری کو فروغ حاصل ہوا، بنی اُمیہ کے عہد سے لے کر تیموریون کے خاتمہ تک تمام مسلمان حکمران خاندان اور انکے بیشتر فرمانروا خود بھی شعر و ادب کا ذوق رکھتے تھے، اور شاعرون کے قدردان اور سرپرست تھے، عربی اور فارسی دونون زبانون کے تمام نامور شعراء اخطل جریر و فرزدق سے لے کر ابن الرومی، بحتری، ساجی، اور ابن العلاف تک اور رودکی اور دقیقی سے لیکر غنی کاشمیری اور ناصر علی سرہندی تک اپنے اپنے زمانہ کے سلاطین کے دربارون سے وابستہ یا کم از کم اُن کی فیاضیون سے بہرہ یاب تھے، حتی کہ حکیم سنائی، نظامی گنجوی، اور شیخ سعدی جیسے شعراء

کا بھی کچھ نہ کچھ سلاطین سے تعلق رہا تھا، اور عربی و فارسی کے تمام بڑے بڑے شعراء غزل گو بھی تھے، اور قصیدہ نگار بھی، ان مین بہتون کے تغزل کی رنگینی اردو غزل سے بھی بڑھ کر تھی، لیکن اُن کی غزل سرائی اور قصیدہ نگاری نے نہ ان سلاطین کو فکر سلطنت سے آزاد کیا اور نہ مسلمانون کو عیش پرست بنایا۔ بلکہ یہی زمانہ مسلمانون کے اوج شباب کا تھا۔ اور غزل اور قصیدہ کے قدردان سلاطین فوجون کے سپہ سالار، ملکون کے فاتح، اور جہانگیر وجہاندار تھے، شاعری اور شعراء کا سب سے زیادہ قدردان اور سرپرست محمود غزنوی تھا، جس نے سب سے پہلے اپنی حکومت مین شاعری کا مستقل محکمہ قائم کیا، اور اس کے عہدہ دار مقرر کئے، کئی سو شعراء اس کے دامن دولت سے وابستہ تھے، یہی حال ہر دور مین رہا، خود تیموریون کے عہد مین فارسی شاعری کی ترقی کا زمانہ وہی ہے، جو تیموریون کے عروج کا ہے، فیضی، عرفی، نظیری، طالب آملی، قدسی، ابو طالب کلیم، صائب، ناصر علی سرہندی اور غنی کاشمیری وغیرہ بڑے بڑے شاعر اکبر سے لے کر اورنگ زیب تک کے زمانہ مین پیدا ہوئے، عربی اور فارسی شاعری کا بہترین ذخیرہ، مسلمانون کے عہد عروج اور نامور سلاطین کی قدردانی کی یادگار رہا، اسلئے یہ کہنا کہ قصیدہ نگاری اور تغزل نے مسلمان سلاطین کو فکر سلطنت سے آزاد اور مسلمانون کو عیش مین مبتلا کیا صحیح نہین ہے۔ قصائد تو ان سلاطین کی یادگار ہین جن کی تلوارون نے دنیا کا نقشہ بدل دیا تھا۔ اسلئے قصائد سے بہادر شاہ کی شان مین ذوق اور غالب کے قصائد کیون مراد لئے جائین۔ اصلی قصائد تو محمود غزنوی، سلطان سنجر، الپ ارسلان، ملک شاہ، اکبر و شاہجہان اور دوسرے نامور سلاطین کی یادگار ہین، اور قصائد کی ترقی کا اصلی دور یہی تھا۔ گو یہ قصائد مبالغہ سے خالی نہین، لیکن ان نامور سلاطین کے کارنامے ان کے مستحق تھے، باقی ہر چیز کی طرح قصائد کی بھی اصلی روح رفتہ رفتہ غائب ہو گئی، اور محض نقالی رہ گئی، اور جب وہ اولوالعزم اور نامور سلاطین اور وہ قصیدہ نگار شعراء بھی نہ رہ گئے تو قصیدہ نگاری کی اصلاح کا اب کیا سوال ہے، اب قصائد لکھے کس کے لئے جائین گے،

درحقیقت مصنف نے اردو شاعری کی تنقید مین نتیجہ کو سبب قرار دیا ہے، یعنی سلاطین کی غفلت

اور مسلمانون کے تعیش اور ان کی تباہی کا سبب قصیدہ اور غزل نہین بلکہ اُن کی غفلت، بے عملی اور تن آسانی نے ان کو پہلے سے عیش پرست اور لطف و تفریح کے مشاغل مین مبتلا کر دیا تھا، جن مین ایک شاعری اور تغزل بھی ہے، ورنہ جہد و عمل کے ساتھ قصیدہ اور غزل سے کوئی نقصان نہین پہنچتا، بلکہ افکار و خیالات کی تہذیب، ذوق کی لطافت اور تہذیب معاشرت کی نفاست کے لئے شعر و ادب ضروری ہے، البتہ جو قوم زندگی کی جد و جہد چھوڑ کر محض شعر و شاعری مین پڑ جائیگی۔ تو اس کا لازمی نتیجہ تباہی ہے، اس مین شاعری کا قصور نہین،

درحقیقت اردو شاعری پیدا اس زمانہ مین ہوئی، جب مسلمانون پر زوال طاری ہو چکا تھا، حکومت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ اور شمالی ہند مین اردو شاعری کا آغاز محمد شاہی دور سے ہوا، جب مسلمانون کا اخلاقی مزاج بگڑ چکا تھا۔ اور وہ عیش پرستی مین مبتلا ہو چکے تھے، اور خواہ مصنف کو اس سے اختلاف ہو لیکن یہ واقعہ ہے کہ شعر و ادب سوسائٹی کے حالات کے تابع ہوتے ہین، جو رنگ سوسائٹی کا ہوگا، اسی کا پرتو شاعری مین نظر آئے گا، اس لئے اردو شاعری مین بھی مسلمانون کی زوال پذیر اخلاقی حالت کے اثرات نمایان ہوئے، اس سے انکار نہین۔ کہ ہر زمانہ مین ایسے روشن ضمیر مصلحین پیدا ہوتے ہین، جو عوام کے ساتھ نہین بہتے، بلکہ ان کو اپنے راستہ پر چلانے کی کوشش کرتے ہین، لیکن اس درجہ کے مصلحین طبقہ خواص یعنی علماء اور حکماء مین پیدا ہوتے ہین، اور اس دور کے شعراء مین کوئی اس درجہ کا نہ تھا، حکیم سنائی، خواجہ فریدالدین عطار اور مولانا روم اور اقبال جیسے مصلح اور مجدد شعراء کہیں صدیوں مین پیدا ہوتے ہین، مصنف نے کم از کم ہندوستان مین اس کے خلاف جو مثالین دی ہین، وہ صحیح نہین ہین، اولاً حالی اور اکبر وغیرہ پیشہ ور شاعر نہین، بلکہ طبقہ خواص مین تھے، اور انھون نے شاعری کو اپنے خیالات کی اشاعت کا ذریعہ بنایا تھا، دوسرے وہ پرانی بوسیدہ سوسائٹی کی نہین، بلکہ نئے دور کی پیداوار تھے، ۱۸۵۷ء کے بعد پرانی بساط الٹ چکی تھی، نئی حکومت، نئے علوم اور نئی تحریکون کے اثر سے خیالات بدل چکے تھے،

اور ایک نئے دور کا آغاز ہو گیا تھا۔ حالی، اکبر اور شبلی، اسی دور کے نقیب اور اقبال اس کے خاتم الشعراء تھے، ہاں علماء و مجتہدین کے زمرہ مین اس دور مین بھی حضرت شاہ ولی اللہ حضرت سید احمد بریلوی اور مولانا اسمٰعیل شہید پیدا ہوئے، جنھون نے مسلمانون کی اصلاح و تجدید اور ان کو ابھارنے کی کوشش کی،

اس مین شبہ نہین کہ شاعری قومی و ملی جذبات کو ابھارنے کا ایک موثر ذریعہ ہے، لیکن اردو کیا عربی اور فارسی کی شاعری بھی جس کی وہ مقلد ہے، اس قسم کے خیالات سے خالی ہے اپنے زمانہ مین اندلس اور بغداد کی خلافتون کے زوال کا واقعہ دنیائے اسلام کے لئے تیموریون کے زوال سے زیادہ اہم اور دردانگیز تھا، لیکن ان کے دو چار مرثیون کے علاوہ عربی اور فارسی مین اور کوئی قومی و ملی نظم نہین مل سکتی، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اوّلاً اس زمانہ مین اس قسم کے قومی و ملی جذبات مسلمانون مین عام طور سے پیدا نہین ہوئے تھے، اور جس طبقہ مین تھے، تو ان کے اظہار کا ذریعہ نظم کے بجائے نثر تھی،

عربی اور بالخصوص فارسی شاعری مین مروجہ اصناف اور اس کے خیالات سے ہٹ کر حکیمانہ اور عارفانہ خیالات سنجیدہ اور بلند شاعری کا جوہر سمجھے جاتے تھے، چنانچہ یہ خیالات ابتدا سے فارسی شاعری مین موجود ہین، اور اس مین حکیم سنائی خواجہ فرید الدین عطار، شمس تبریز، مولانا روم، اوحدی کرمانی، ابو سعید ابو الخیر، عمر خیام، اور عراقی وغیرہ بڑے بڑے حکیم اور فلسفی شعراء پیدا ہوئے، اردو شاعری بھی اس سے خالی نہین ہے، لیکن اس کے ابتدائی دور مین اس کا اثر بہت کم ہے، اس کی وجہ یہ ہے، کہ فارسی شاعری مسلمانون کے دور عروج مین پیدا ہوئی، اور صدیون ترقی کرتی رہی، اس لئے اس مین بڑے بڑے حکیم شعراء پیدا ہوئے، اس کے مقابلہ مین اردو اوّلاً مسلمانون کے دور زوال کی پیداوار ہے، جب ان کی دماغی و ذہنی صلاحیتیں اور اس کا جوش و ولولہ ختم ہو چکا تھا، دوسرے اس کی عمر بہت تھوڑی تھی، اور ابتدائی عمر مین بلند خیالات کی گنجائش بہت کم تھی، لیکن اس کی عمر جس قدر بڑھتی گئی، خیالات مین تنوع گہرائی، اور بلندی پیدا ہوتی گئی، اور خود غزل

مین بھی جو مصنف کے نزدیک سب سے مطعون صنف ہے، حکیمانہ خیالات آتے گئے، ہر شاعر کے کلام مین ایسے کچھ نہ کچھ اشعار نکل آئین گے، اور خواجہ میر درد، غالب، اور آتش وغیرہ کا کلام تو حکیمانہ اور عارفانہ خیالات سے معمور ہے، اس کے علاوہ رباعی جو حکیمانہ اور اخلاقی خیالات کے لئے مخصوص ہے وہ ابتدا سے اردو شاعری مین موجود ہے، اس لئے اردو شاعری سنجیدہ اور بلند خیالات سے کسی زمانہ مین یکسر خالی نہین رہی ہے،

درحقیقت فارسی کی طرح اردو شاعری مین بھی مختلف اصناف ہین، جو مختلف جذبات و خیالات کے لئے مخصوص ہین، مختصر عاشقانہ جذبات و قلبی واردات اور دوسرے مختلف تاثرات کے لئے غزل ہے، مسلسل معاملہ بندی کے لئے واسوخت، مدح کے لئے قصائد، جذبات غم کے اظہار کے لئے مرثیہ مسلسل داستان کے لئے مثنوی، مختصر حکیمانہ اور اخلاقی خیالات کے لئے رباعی، اسی طریقہ سے مختلف اصناف مختلف چیزون کے لئے مخصوص ہین، اس لئے ایک کی خصوصیات دوسرے مین تلاش کرنا خود اپنی غلطی ہے، البتہ ان سب کے حدود ہین، جن سے تجاوز کرنا صحیح نہین ہے، مثلاً اگر کوئی شاعر عاشقانہ جذبات کو بازاری پھکڑ بنا دیتا ہے، تو یہ اس کی غلطی ہے، اس سے غزل کی صنف مذموم نہین قرار دیجا سکتی، اور یہ چیز یقیناً قابل اصلاح ہے، یہ عجیب بات ہے کہ غزل جس کو اردو شاعری مین سب سے زیادہ تنگ اور محدود سمجھا جاتا ہے، اسی کا دامن سب سے زیادہ وسیع ہے، اور اس مین عاشقانہ جذبات کے علاوہ ہر قسم کے مختصر خیالات ظاہر کئے جا سکتے ہین اور کئے جاتے ہین،

یہ ایک ضمنی بحث ضرورت سے زیادہ طویل ہو گئی، اس کا مقصد اردو شاعری کے نقائص کی پردہ پوشی اور ان کی تاویل نہین ہے، اس کی بہت سی خامیان آج بھی مسلّم ہین، لیکن ان کو ان کی حد مین رکھنا چاہئے، اس سے اردو شاعری کے پورے دفتر کو لغو اور بیکار نہین قرار دیدینا چاہئے، حالات اور زمانہ کی رفتار کے ساتھ بہت کچھ اس کی اصلاح ہو چکی ہے، اور اس کا سلسلہ برابر جاری ہے، خصوصاً تغزل کا

رنگ تو بہت نکھر گیا ہے، اور حسرت، فانی، جگر اور اصغر نے اس زمین کو آسمان تک پہنچا دیا ہے، ہر قسم کی مسلسل نظموں اور قومی و ملی شاعری کا بھی کافی ذخیرہ فراہم ہو گیا ہے، اور اب اردو شاعری میں چہار دانگ پر لگ گئی ہے، اور اس کا دامن کافی وسیع ہو گیا ہے،

مصنف کے ان خیالات سے قطع نظر، اصل تذکرہ بہت قابل قدر ہے، انھوں نے شعراء کے کلام اور ہر دور کی شاعری کی خصوصیات کو بڑی خوبی سے دکھایا ہے، ان کی رائیں، اُن کے حسن ذوق اور دقتِ نظر کا ثبوت ہیں، تذکرہ کا یہ حصہ غالب اور شیفتہ تک ہے، غالباً دوسرا حصہ داغ و امیر سے شروع ہوگا، لیکن ہمارے نزدیک صحیح تقسیم یہ ہوتی کہ اس حصہ میں دورِ قدیم کے تمام شعراء داغ و امیر و جلال تک لے لئے جاتے، اور دوسرا حصہ جدید دور کے شعراء جلیل، ریاض اور حسرت وغیرہ سے شروع کیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا،

"م"

شعر الہند جلد اول

جس میں قدماء کے دور سے لے کر دورِ جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تاریخ کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے،

قیمت:- للعہ

شعر الہند جلد دوم

جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی، اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے،

(زیر طبع)

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

فتوح السلاطین: مصحح جناب محمد یوشع صاحب، تقطیع بڑی، ضخامت ۷۰۰ صفحے، کاغذ سپید، ٹائپ بہتر، مجلد، قیمت تحریر نہیں:- پتہ مدراس یونیورسٹی، مدراس،

یہ کتاب آٹھویں صدی ہجری کے ایک مصنف مولانا عصامی کی فارسی میں ہندوستان کی منظوم تاریخ ہے، مصنف کے بیان کے مطابق وہ عباسی وزیر فخر الملک کی اولاد سے ہے، جو سلطان التمش کے زمانہ میں بغداد سے دلی آیا تھا، سلطان نے اس کی بڑی پذیرائی کی، اور فخر الملک اور اسکی اولاد سلطان التمش اور اس کے اخلاف کے درباروں سے متوسل رہی، عصامی دہلی میں پیدا ہوا، اور ابتدائی عمر میں جب سلطان محمد تغلق نے دلی کے باشندوں کو دیوگیر منتقل کیا تو عصامی بھی اپنے دادا عز الدین کے ساتھ وہان چلا گیا، اور ایک مدت تک گمنامی کی زندگی بسر کرتا رہا، لیکن وہ بڑا لائق اور جوہر قابل تھا، اس لئے ایک عرصہ کے بعد دولت آباد کے قاضی بہاء الدین کے توسط سے سلطان علاء الدین بہمنی کے دربار سے اس کا تعلق پیدا ہو گیا، اور اسی کی سرپرستی میں اُس نے فتوح السلاطین لکھی، اس میں سلطان محمود غزنوی سے لیکر محمد بن تغلق تک ہندوستان میں اسلامی فتوحات کی تاریخ ہے، اس کتاب کے قلمی نسخے کمیاب تھے، آج سے دس بارہ سال پہلے محمد یوشع صاحب لکچرار فارسی مدراس یونیورسٹی نے اس کے دو نسخے حاصل کر کے ایڈٹ کرنا شروع کیا تھا، اور اسی زمانہ میں مصنف اور تصنیف دونوں کے تعارف میں عصامی نامہ کے نام سے ایک فارسی مثنوی لکھکر شائع کی تھی، لیکن آگرہ کالج کے پروفیسر ڈاکٹر آغا مہدی حسن نے پیشقدمی کر کے ۳۹ء میں فتوح السلاطین کا ایک نسخہ لیتھو میں چھپوا کر شائع کر دیا، مگر سید محمد یوشع نے اپنا کام جاری رکھا، اور اب دس سال کے بعد اُن کا مرتبہ و تصحیح کردہ نسخہ بڑے اہتمام سے مدراس یونیورسٹی نے شائع کیا ہے، یہ نسخہ تصحیح و ترتیب کی تمام جدید خوبیون

سے آراستہ ہے، کتاب کے شروع میں مرتب کے قلم سے مصنف کے حالات تصنیف کی خصوصیات اور اس کے
قلمی نسخوں کی تفصیل ہے، اور کتاب کے آخر میں اس کے مندرجہ اشخاص و مقامات کے ناموں اور القاب
و عہدوں کا انڈکس ہے، کتاب کے مشکل لغات کا فرہنگ بھی دیدیا ہے، جس سے عام لوگوں کے لئے
بھی اس کتاب سے استفادہ آسان ہوگیا ہے، ڈاکٹر مہدی حسن کے شائع کردہ نسخہ کے سلسلہ میں عرصہ ہوا
معارف کے کئی نمبروں میں اس کتاب پر مفصل تنقید شائع ہو چکی ہے اس لئے اس نسخہ پر کسی طویل تبصرہ کی ضرورت
نہیں، صرف اس کا تعارف مقصود ہے، اس کتاب میں اگرچہ بعض غیر معتبر اور مبالغہ آمیز واقعات بھی ہیں، لیکن
عام طور سے صحیح و مستند ہیں، اور بعض ایسے معلومات بھی ہیں، جو متداول تاریخوں میں نہیں ملتے، اس لئے اس
کتاب کی اشاعت سے سلاطین دہلی کے حالات میں ایک مستند اور مفید مآخذ کا اضافہ ہوا، ادبی حیثیت سے
بھی یہ کتاب قابلِ قدر ہے، مصنف کو زبان پر پوری قدرت ہے، اور اتنی ضخیم کتاب اور گوناگوں واقعات میں شروع
سے آخر تک زبان و طرزِ بیان کا انداز یکساں ہے،

ضرورۃ القرآن جلد دوم، مرتبہ جناب قاضی زاہد الحسینی صاحب، تقطیع چھوٹی ضخامت ۹۰ صفحے کاغذ
کتابت و طباعت بہتر مجلد قیمت تحریر نہیں، پتہ:- غالب حجازی پریس لاہور سے ملے گی،

کلام مجید انسانی زندگی کا مکمل دستور العمل ہے، اس میں پیدائش سے لے کر موت تک اُن کی جملہ
دینی و دنیاوی، مادی و روحانی اور اجتماعی و انفرادی معاملات کے متعلق دینیاوی قوانین اور ہدایات موجود
ہیں، اس کے مختلف پہلوؤں پر اہلِ علم و اصحابِ قلم نے لکھا ہے، مذکورۂ بالا کتاب بھی اسی موضوع پر ہے، اس
میں انسان کی پیدائش اس کی جسمانی ضروریات، نکاح و طلاق خلع وغیرہ، معاشرتی معاملات اُن کے باہمی
حقوق و فرائض اقتصادی و معاشی مسائل، صنعت و حرفت زراعت و تجارت، حکومت و سیاست، علوم
و فنون غرض انسانی زندگی کی جملہ ضروریات کے متعلق قرآنی احکام اور اسکی تعلیمات کی وضاحت کی گئی ہے،
آخر میں قرآن مجید کی صحت و حفاظت اور اس کے مقابلہ میں دوسرے مذہبی صحیفوں کے تغیرات کے دلائل اور

کلام مجید کی صحت کے متعلق بعض شکوک کے جوابات دیئے ہیں، یہ کتاب جامع تو بہت ہے لیکن مانع نہیں ہے
اور اس میں بہت سے ایسے مسائل زیر بحث آگئے ہیں، جن کو کلام مجید سے کوئی علاقہ نہیں ہے، روایتوں میں بھی احتیاط
نہیں برتی گئی ہے، اور ہر قسم کی رطب و یابس بلکہ موضوع روایات تک سے استدلال کیا گیا ہے، بعض مباحث
عامیانہ اور سطحی ہیں، مثلاً کلام مجید کی صحت اور حفاظت کے سلسلہ میں عربی زبان کے کمال اسکی جامعیت اور
تمام انبیا کی زبان عربی ہونے کی بحث غیر متعلق بھی ہے، اور علمی استدلال سے بھی خالی ہے، اس سلسلہ کی سب
روایتیں غیر معتبر ہیں، اسی طرح کلام مجید سے تمام علوم کا اثبات بھی ایک بے کار اور غیر ضروری چیز ہے اگر
کسی حیثیت سے اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے کلام مجید کی عظمت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا وہ ایک
رشد و ہدایت کا صحیفہ ہے، نہ کہ علم و فن کی کتاب، اس کا کمال اس کی تعلیمات اور اس کی ہدایت میں ہے اس قبیل
کی اور بھی غیر متعلق بحثیں ہیں، جس سے کتاب کی علمی حیثیت ہلکی ہوگئی، تاہم مجموعی حیثیت سے مفید اور عام مسلمانوں
کے مطالعہ کے لائق ہے،

تمہید تفسیر قرآن و مقدمہ تفسیر قرآن } مترجمہ مولانا محمد اصغر حسین صاحب سابق پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ
پٹنہ تقطیع چھوٹی، کاغذ کتابت و طباعت بہتر ضخامت بالترتیب
۴۸، اور ۳۲ صفحے قیمت چار چار آنے، پتہ اقبال بک ڈپو پٹنہ نمبر ۴ و کتابستان آرہ،

کلام مجید کی بے شمار تفسیریں لکھی گئیں اور مشہور و متداول تفسیروں کی بھی بڑی تعداد ہے، گو یہ تفسیریں
فائدے سے خالی نہیں، اور اُن کے مصنفین کی خدمت قرآن لائق تحسین ہے، لیکن ان میں سے بہت کم تفسیریں
صحیح تفسیری نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہیں، بیشتر تفسیروں میں خالص تفسیر کے بجائے جو نفس فہم قرآن اور اس سے
اثر پذیری کے لئے مفید ہو، مفسرین کے ذاتی ذوق و رجحان کے متفرق مسائل و مباحث زیادہ ہیں، جس سے اصل
مقصود پوری طرح حاصل نہیں ہوتا۔ اس زمانہ میں جو تفسیریں لکھی گئی ہیں، ان میں علامہ رشید رضا مصری
کی تفسیر المنار تفسیر کی غرض و غایت کے لحاظ سے سب سے بہتر ہے، اس تفسیر کی تمہید اور مقدمہ میں مصنف نے

قدیم تفسیروں کے نقائص دکھائے ہیں، اور قرآن مجید کے اصل مقصود، اور تفسیروں کی اصل غرض بتا کر فہم قرآن اور تفسیر قرآن کے صحیح اصول بتائے ہیں، لائق مترجم نے تمہید تفسیر قرآن، اور مقدمہ تفسیر قرآن کے نام سے الگ الگ اس کا اردو میں ترجمہ کر دیا ہے، لیکن یہ دونوں ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، اور کلام مجید کی تفسیر سے ذوق رکھنے والوں کے مطالعہ کے لائق ہیں، خصوصاً تفسیر کے مدرسین کے لئے ان کا مطالعہ زیادہ مفید اور کارآمد ہے، لیکن ترجمہ بہت ناہموار ہے، اور اس میں زبان و بیان کی بڑی خامیاں ہیں،

ایران پاستان از جناب مولوی خلیل الرحمن صاحب مرحوم تقطیع اوسط ضخامت ۱۵۲ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت تحریر نہیں ہے، پتہ:- کتابستان، کراچی۔

اردو میں ایران کی قدیم تاریخ کے متعلق بہت کم معلومات ہیں، اور پروفیسر آرتھر کرسٹن سین کی محققانہ کتاب (L'empire des Sassanides.) کے ترجمہ کے علاوہ جو پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے "ایران بعہد ساسانیان" کے نام سے کیا تھا، اور کوئی قابل ذکر کتاب نہیں ہے اور یہ در اصل ساسانی عہد کی تاریخ ہے، اس میں قدیم اشکانی اور ہخامنشی خاندان کے حالات برائے نام ہیں، اردو کے مشہور مصنف و مترجم مولوی خلیل الرحمن صاحب مرحوم نے عرصہ ہوا ایران پاستان کے نام سے قدیم ایران کی یہ مختصر تاریخ لکھی تھی، جس کو ان کی وفات کے ایک عرصہ کے بعد اُن کے لائق فرزند پروفیسر نعیم الرحمن صاحب نے نظر ثانی کر کے اب شائع کیا ہے، اس میں ایران کا قدیم جغرافیہ، زمانہ ماقبل تاریخ کے حالات، پیش دادی، کیانی، ہخامنشی، اشکانی اور ساسانی تاجداروں کی مختصر سیاسی تاریخ ہے، اور جستہ جستہ مذہبی و انتظامی و تمدنی حالات بھی آگئے ہیں، ایران کی قدیم تاریخ افسانوں میں اس قدر گم ہے کہ پیش دادی اور کیانی خاندان کے تمام حکمرانوں کا اب تک علم نہیں ہو سکا ہے، اس لئے یہ مختصر تاریخ بھی اردو میں غنیمت ہے،

"م"

جلد ۶۴ ماہ محرم الحرام ۱۳۶۹ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۹ء عدد ۵

مضامین